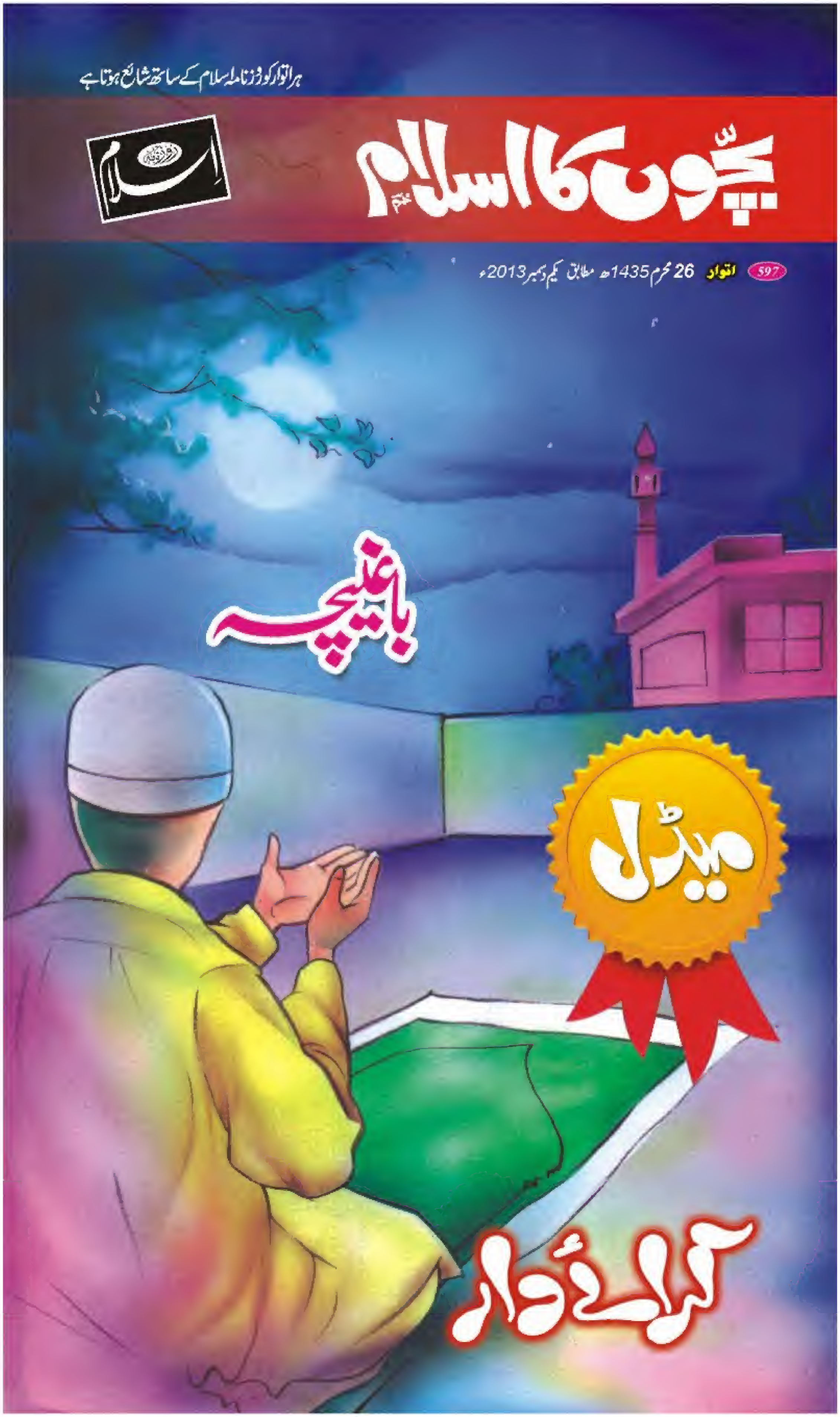
ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے
بچوں کا اسلام
روزنامہ اسلام
597 اتوار 26 محرم 1435ھ مطابق یکم دسمبر 2013ء
باغیچہ
میڈل
کرائے دار

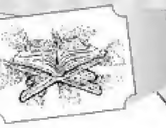

ایمان لانے کے بعد

''اللہ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے، جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا؟ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے ہیں اور ان کے پاس (اس کے) روشن دلائل بھی آچکے تھے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

(سورہ آلِ عمران:86)

قتل نہ کرو

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے نام اور اللہ کی توفیق سے چلو (جہاد کے لیے) رسول اللہ کی ملت پر کسی بوڑھے کو قتل نہ کرو، نہ چھوٹے بچے اور عورت کو قتل کرو، خیانت نہ کرو (یعنی مالِ غنیمت میں) اپنی غنیموں کو جمع کرو O اور اصلاح کرو، نیکی کرو۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (ابوداؤد)

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: ایک صاحب کا چند دن پہلے فون موصول ہوا.. بہت ہی غصے میں تھے.. انھوں نے مجھے خوب ہی کھری کھری سنائیں.. ان کے دل میں جو جو کچھ تھا، زبان کے راستے میرے کان میں اتارتے چلے گئے.. درمیان میں میں نے کچھ سوالات بھی کیے... ان کا کہنا تھا، میں نے اتنے خط لکھے ہیں اور اتنی کہانیاں لکھی ہیں، نہ آپ نے کوئی خط شائع کیا، نہ کوئی کہانی.. آخر میں نے ان سے کہا، میں آپ کی کہانیاں اور خطوط نکال کر دیکھتا ہوں اور وجہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں.. فون بند کرکے میں نے خطوط میں سے ان کے خطوط اور کہانیوں میں سے کہانیاں نکال لیں.. کیونکہ میں نے سوچا تھا، جو شخص اتنا بھرا بیٹھا ہے... کہیں اس کے ساتھ واقعی ناانصافی نہ ہو رہی ہو..

میں نے ان کی کہانیوں پر ایک بار پھر نظر ڈالی.. تمام کی تمام کہانیاں بالکل کسی بھی کام کی نہیں تھیں، کہانیاں میرے پاس محفوظ ہیں.. کوئی بھی صاحب انصاف کے تقاضوں کی بنیاد پر وہ کہانیاں منگوا کر پڑھنا چاہیں، میں ان کی فوٹو کاپی ارسال کروں گا... رہا ان کے خطوط کا معاملہ... ان چار پانچ خطوط میں سے چند جملے آج کی ان دو باتیں کی زینت بنا رہا ہوں.. تاکہ آپ بھی جان لیں، مدیر بننا کس قدر آسان ہے.. اور ان بے چاروں کو کیا کچھ سننا اور سہنا پڑتا ہے.. یوں تو یہ بھی خطوط مکمل شائع کیے جائیں تبھی ان صاحب کے بارے میں آپ درست ترین اندازہ لگا سکتے ہیں، لیکن میری مجبوری ہے.. خطوط مکمل شائع نہیں کرسکتا.. ہاں کوئی شوقین مجھ سے خطوط منگوا کر پڑھنا چاہیں تو ارسال کرسکتا ہوں.. تاہم ان کا نام سامنے نہیں لاؤں گا... خطوط کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''اب آپ کہانیاں پڑھے بغیر ہی نام دیکھ کر کہانیاں شائع کردیتے ہیں۔''

''جھوٹ بولنا آپ کا وتیرا ہے۔ اس وقت پاکستان میں اچھے اچھے کہانی نویس ہیں، آپ ان سے کہانیاں کیوں نہیں لیتے۔ شاید اس لیے کہ انھیں پیسے دینے پڑتے ہیں۔''

''آپ نے کہا تھا، کلب کے فائدے بتائیں گے، میرے خیال میں کلب سے صرف آپ کو مالی فائدہ ہوا ہے اور کچھ بھی نہیں۔''

''ایک بات تو بتائیں، کہانیاں تو چلو ٹھیک ہے، آپ خط کیوں شائع نہیں کرتے۔ میں یہ بات ثابت کرسکتا ہوں کہ آپ صرف خوشامدیوں کے خطوط شائع کرتے ہیں۔''

''ہم کہتے ہیں، ناقابلِ اشاعت میں لکھنے والوں کے نام بھی شائع کیا کریں.. آپ کہیں گے کہ جگہ کم ہوتی ہے تو جناب! آپ کی فضول باتوں کے لیے جگہ کم نہیں، ناولوں کے لیے جگہ کم نہیں نوز (نیوز) چینل کے لیے جگہ کم نہیں۔''

''اتنے زیادہ ناول لکھ کر بھی مشہور ہونے کی خواہش دل سے اتری نہیں۔''

''میں نے سنا ہے سرسید، علامہ اقبال جیسے لوگ دوسروں کے خطوط کے جوابات دیتے تھے، وہ بھی اپنی جیب سے، آپ کیوں جواب نہیں دیتے۔ کیا آپ خود کو ان سے بلند محسوس کرتے ہیں یا آپ کے پاس دو وقت کی روٹی کے پیسے بھی نہیں ہوتے.. ہاں غرور اور تکبر آپ میں زیادہ ہے، اس لیے۔''

''مقولہ سنا تھا کہ بے حسی کی آخری حدود بھی ہوتی ہیں مگر آپ تو خیر سے ان حدود کو کب کا پھلانگ چکے ہیں۔ پتا نہیں، کتنے ناموں سے لکھ رہے ہیں۔''

''آپ کو کوئی اچھی کہانی نہیں ملتی یا کسی اپنے کی کہانی نہیں ملتی تو کسی نئے کی (یعنی ہم جیسوں کی) کہانی کو درست کرکے لگا دیا کریں۔ مزا تو تب ہے آپ نئے لکھنے والوں کی کہانیوں کو درست کرکے لگا دیا کریں مگر یہ کام تو دل میں تڑپ رکھنے والوں کا ہے۔ آپ تو پیسوں کے لیے کرتے ہیں۔ ویسے اگر آپ سے کہانی کو ٹھیک کروایا جائے تو آپ کتنے پیسے لیں گے، دوسرے الفاظ میں شمارے میں کہانی لگانے کے کتنے پیسے لیں گے۔''

''آپ اتنے فضول ناول کس طرح لکھ لیتے ہیں... میں داد دیتا ہوں آپ کے قارئین کو جو اتنے فضول اور جھوٹے ناول پڑھ لیتے ہیں.. اور داد دیتا ہوں آپ کی قابلیت کو کہ کس طرح آپ دوسروں کے ناولوں کا بنیادی مواد لے کر اپنے نام سے چھاپ دیتے ہیں۔''

''آپ ہمیشہ لکھتے ہیں، فلاں نے مجھے فلاں تحفہ دیا ہے، فلاں نے فلاں۔ آپ نے خود بھی کسی کو کبھی کوئی تحفہ دیا ہے۔''

''آپ مجھے حاسدین میں شمار کریں گے، شوق سے کریں، کیونکہ میرے خیال میں جھوٹ اور جھوٹے آدمی سے حسد کرنا اچھی بات ہے۔'' والسلام!

یہ خطوط 16 ستمبر، 18 ستمبر، 20 ستمبر اور 22 ستمبر کو لکھے گئے جب کہ ابھی ان خطوط سے پہلے موصول ہونے والے بہت سے خطوط میرے پاس موجود ہیں.. ان کے پڑھنے اور شائع ہونے کی باری تو ابھی آئی تھی... آپ کے لیے بطورِ خاص ان خطوط کی صرف جھلکیاں لکھ دی ہیں، تاکہ سند رہیں اور بوقتِ ضرورت کام آئیں..

والسلام

سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک: 600 روپے، بیرونِ ملک: 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ

"بچوں کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983

بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی: www.dailyislam.pk ای میل: bkislam4u@gmail.com

رحم دل

اہلیہ عبدالسمیع۔خان پور

''جوتی گانٹھنا کوئی اتنا مشکل کام تو نہیں۔'' ایک ٹوٹی ہوئی جوتی کو چمڑے کا پیوند لگاتے ہوئے میں نے سوچا۔ ''بس ذرا طریقہ آنا چاہیے جوتی جوڑنے کا'' ہاں! بالکل اس طرح! بس عین خرابی کی جگہ پر پکا جوڑ لگا کر مضبوط ٹانکے لگانے پڑتے ہیں۔ یونہی نہیں کہ بس سرسے گزار دیا۔ دل سے کام کرنا پڑتا ہے۔ آں! ہاں! بالکل اس طرح۔'' اپنی ہی سوچوں میں مگن میں جوتی جوڑنے میں لگا ہوا تھا۔

اچانک ایک آواز نے میری سوچوں کا سلسلہ توڑ دیا۔ ''بھائی! یہ جوتی اکھڑنے والی ہے، ذرا مضبوطی سے ٹانکے لگا دیجیے، تاکہ اکھڑنے نہ پائے۔'' میں نے سر اٹھا کر آنے والے کو دیکھا، وہ ایک خوش باش نوجوان تھا، اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا معصوم سا بچہ تھا۔ لوگ بھی کتنے دور اندیش ہیں، خرابی ہونے سے پہلے پیش بندیاں کر کے رکھتے ہیں مگر صرف دنیاوی چیزوں کے معاملے میں۔'' مسکراتے ہوئے میں نے سوچا۔

''جی اچھا! بس پانچ منٹ لگیں گے آپ کے کام میں۔'' وہ نوجوان اور بچہ میرے پاس ہی پڑے ایک ٹوٹے سے بینچ پر ٹک گئے۔

''ابو جی! یہ بے چارہ کتنا بوڑھا ہے نا!'' بچے نے نوجوان کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا! نوجوان کی نظروں میں رحم ابھر آیا۔ اس کی نظریں جوتی پر تھیں۔ میں جوتی کی مرمت شروع کر چکا تھا۔''

''پھر بھی کتنا کام کرتا ہے نا۔''

''ہاں بیٹا!'' اس کے باپ کی عقابی نظریں جوتی پر جمی تھیں۔

''بے چارہ۔'' اس نے افسوس بھری نظریں مجھ پر ڈال کر کہا۔ اس کا باپ خاموش رہا، لوگوں کو احساس نہیں کہ ان کی ترس بھری نظریں کسی کو بری لگتی ہیں۔ میں مطمئن انداز میں اپنا کام کرتا رہا۔ اگر اس طرح کی باتوں کو سوچتا رہتا تو کر لیا تھا کام۔''

''بچے نہیں ہیں تمہارے؟'' اب کی بار نوجوان مجھ سے مخاطب ہو کر بولا: ''ہیں جی! میری آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہو گیا۔'' بڑے نیک فرمانبردار بچے ہیں۔''

''اچھا!'' نوجوان نے بے یقینی سے میری جانب دیکھا۔

''ذرا یہاں سے ٹھیک طرح جوڑنا! یہاں سے ہی اکھڑنے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔'' اس نے پنجے کی طرف اشارہ کیا۔ میں خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا۔ اس جوتے میں سلائی کا کافی کام تھا۔

''کیا کرتے ہیں تمہارے بچے؟'' نوجوان نے تفتیشی انداز سے پوچھا۔

''جی ایک بیٹی ہے جس کی شادی کر دی اور ایک بیٹا ہے محنت مزدوری کرتا ہے۔ ایک پوتا ہے ہمارے گھر کی رونق۔'' بچوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے میری آواز میں ایک کھنک تھی۔

''تو پھر تم یہ کام کیوں کرتے ہو؟'' نوجوان نے پھر سوال پوچھا۔

''کیونکہ یہ میرا کام ہے۔'' میں نے مختصر جواب دیا اور جوتی مکمل کر کے نوجوان کے حوالے کر دی۔

''کتنے پیسے ہوئے؟''

نوجوان نے محتاط انداز سے اپنے بٹوے کو تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

''تیس روپے جی!'' میں نے چیزیں سمیٹتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''تیس روپے! نوجوان کی آواز چیخ جیسی تھی۔ گویا میں نے اس سے اس کی قیمتی ترین چیز کا سوال کر دیا تھا۔ اپنے بٹوے پر اس کی گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی۔ ''کس چیز کے تیس روپے، یہ جوتا تو پہلے سے جڑا ہوا تھا اور تم نے ذرا سے ٹانکے لگا دیے اور تیس روپے مانگ رہے ہو۔'' میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ ابھی ابھی وہ نوجوان اور اس کا بیٹا، رحم بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے اور یہ احساس دلا رہے تھے کہ یہ بڑا سخت کام ہے جو میں کر رہا ہوں اور اب وہ نوجوان مجھے بتا رہا تھا کہ یہ بھی کوئی کام ہے جو میں نے کیا ہے۔ ''پندرہ روپے سے ایک پیسہ زیادہ نہیں دوں گا میں۔ ہاں!'' اب کے مسکراہٹ میرے ہونٹوں پہ آ گئی۔ ہم لوگ عجیب ہیں دوسروں پر ترس تو یوں کھاتے ہیں، گویا اگر ہمارے ہاتھ میں دنیا کی باگ ڈور ہو تو سب کو جی بھر کر نواز دیں مگر جہاں کسی ایسی چیز کا سوال ہوا جس کی محبت دلوں میں بیٹھ گئی ہے، تو واویلا شروع کر دیا۔

''کچھ بولو گے بھی بھائی! یا یونہی ہنستے رہو گے۔''

نوجوان اکتا کر بولا، ''اچھا بس! تم اتنی عمر میں اتنی محنت کرتے ہو تو یہ لو بیس روپے۔ بس۔'' نوجوان نے بیس روپے کا نوٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ میں نے خاموشی سے نوٹ تھام لیا۔ نوجوان اور اس کا بیٹا ایک رحم بھری نظر مجھ پر ڈال کر چلتے بنے۔

''اب کیا لوگوں کی باتیں سن کر میں اپنے رب کی ناشکری کروں اور اپنے پیشے کو حقیر سمجھوں! نہیں بلکہ دوسروں کی باتوں پر توجہ کم سے کم دینی چاہیے۔''

''میں یہاں بیٹھا دن بھر کام میں مصروف رہتا ہوں اور دنیا کو دیکھ کر جی ہی جی میں مسکراتا رہتا ہوں۔ اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ ترس صرف اس پر کھاؤ جو نہیں جانتا کہ اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے۔'' اپنی سوچوں میں مگن میں جوتی گانٹھنے میں مصروف ہو گیا۔ ویسے بھی جوتی گانٹھنا کوئی مشکل کام تو نہیں۔

بب بچوں کا اسلام

بچ بچ جب بھی آتا ہے بب بچوں کا اسلام
دد دد دل لل لبھاتا ہے بب بچوں کا اسلام

چھچھ چھچھ چھوٹوں پر شفقت بب بب بوڑھوں کی عظمت
سس سس سکھلاتا ہے بب بب بچوں کا اسلام

قق قق قق قق قاری کے گگ گگ گگ گگ گلشن کو
مم مم مہکاتا ہے بب بب بچوں کا اسلام

آ آ آ آ آنکھوں میں پپ پپ پرچم کی مانند
لل لل لل لہراتا ہے بب بب بچوں کا اسلام

سس سس سب ہی جانتے ہیں سس سس سنڈے کو
گھگ گھگ گھر میں آتا ہے بب بب بچوں کا اسلام

پپ پپ پڑھتے ہیں اس کو دد دد دادا دادی بھی
کک کک کہلاتا ہے بب بب بچوں کا اسلام

رر رر رر رسالے تو او او او اور بھی ہیں
بھب بھب بھاتا ہے بب بب بچوں کا اسلام

بب بب بچوں کا اسلام اس کا مم ممنوں جو
پھپ پھپ پھپ پھیلاتا ہے بب بب بچوں کا اسلام

اثر جونپوری

نوٹ: سالنامے میں شائع ہونے والی اس نظم کے آخری دو شعر غلط چھپ گئے تھے۔ اس لیے پھر شائع کی گئی ہے۔

واقعاتِ صحابہؓ

عبداللہ فارانی

87

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا آخری وقت تھا۔ ایسے میں مروان ان کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے کہا:

"ہم آپ کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اس وقت سے آج تک مجھے آپ کی کسی بات پر غصہ نہیں آیا، بس اس بات پر غصہ آیا ہے کہ آپ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا:

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ ہم لوگ ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ راستے میں ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز سنی۔ وہ دونوں اپنی والدہ کے ساتھ تھے۔ آپ تیزی سے چل کر ان کے پاس پہنچے اور فرمایا:

"میرے بیٹوں کو کیا ہوا ہے؟"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یہ پیاس کی وجہ سے رو رہے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے مشکیزے کی طرف ہاتھ بڑھا کر پانی دیکھا، لیکن اس میں پانی نہیں تھا۔ اس روز لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ لوگ پانی کی تلاش میں تھے۔ آپ نے اعلان فرمایا:

"کسی کے پاس پانی ہے۔"

یہ اعلان سن کر سب نے اپنے اپنے مشکیزوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھا کہ شاید کسی میں تھوڑا بہت پانی ہو، لیکن کسی مشکیزے میں پانی نہ ملا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"اے فاطمہ! ایک بچہ مجھے دے دو۔"

انھوں نے پردے کے نیچے سے ایک بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ آپ نے بچے کو لے کر اپنے سینے سے لگایا۔ بچہ رو رہا تھا، چپ نہیں کر رہا تھا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک نکال کر اس کے منہ میں دے دی۔ بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک چوسنے لگا۔ یہاں تک کہ چپ ہو گیا، اب مجھے اس کے رونے کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی جب کہ دوسرا بچہ ابھی تک رو رہا تھا۔ اب آپ نے فرمایا:

"دوسرا بچہ بھی مجھے دو۔"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا بچہ بھی آپ کو دے دیا۔ آپ نے اس کے ساتھ بھی وہی کیا۔ وہ بھی چپ ہو گیا۔ اب مجھے کسی کے رونے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کے بعد ہم وہاں سے ہٹ کر ادھر اُدھر ہو گئے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان سے اتنی محبت کرتے دیکھا ہے تو میں کیوں ان سے محبت نہ کروں۔" (طبرانی 181/9)

○

ایک روز حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی رکاب پکڑی یعنی احترام کے طور پر ایسا کیا۔ اس پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! آپ ایک طرف ہو جائیں اور میری رکاب نہ پکڑیں۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے علما اور بڑوں کے ساتھ اکرام کا ایسا ہی معاملہ کریں۔"

یہ سن کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

"آپ ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھائیں۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ آگے کیا تو انھوں نے اسے چوم لیا اور فرمایا:

"ہمیں اپنے نبی کے گھر والوں کا ایسا اکرام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

○

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم، صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایسے میں ایک پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ اس میں پینے کی کوئی چیز تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اس پر انھوں نے کہا:

"یا نبی اللہ! آپ کا اس پیالے پر مجھ سے زیادہ حق ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں! پہلے تم پی لو۔"

انھوں نے پیالہ لے تو لیا، لیکن پھر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! پہلے آپ لے لیں۔ اس پیالے پر آپ کا حق مجھ سے زیادہ ہے۔" آپ نے فرمایا:

"نہیں! پہلے تم پی لو، کیونکہ برکت ہمارے بڑوں کے ساتھ ہے۔ جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔"

○

حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت مُحَیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما خیبر گئے۔ دونوں کھجوروں کے ایک باغ میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن سہل کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل، حضرت محیصہ بن مسعود اور حضرت حُوَیصہ بن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور حضرت عبداللہ بن سہل کے قتل کے بارے میں آپ سے بات کرنے لگے۔ بات حضرت عبدالرحمٰن نے شروع کی۔ یہ ان تینوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"بڑوں کی بڑائی قائم کرو۔"

یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ جو عمر میں بڑا ہے، وہ بات کرے، چنانچہ انھوں نے اپنے قتل ہونے والے ساتھی کے بارے میں بات کی۔ آپ نے فرمایا:

"اگر تم لوگوں کے قبیلے کے پچاس آدمی قسم کھا لیں، تو تم اپنے مقتول کے بدلے کے حق دار ہو سکتے ہو۔"

انھوں نے کہا:

"یہ واقعہ ایسا ہے کہ ہم نے نہیں دیکھا۔" (اس لیے ہم قسم نہیں کھا سکتے)

اس پر آپ نے فرمایا:

"تو پھر اگر یہود کے پچاس آدمی قسم کھا لیں تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔"

ان حضرات نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ تو کافر لوگ ہیں۔" (یہ تو جھوٹی قسم کھا لیں گے)

اب آپ نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے اپنے پاس سے دیت دے دی، یعنی خوں بہا دے دیا۔ (جاری ہے)

وہ لڑکا

محمد عزیر۔ تلمبہ

چارپائی کے سرہانے مٹی کا ایک دیا جل رہا تھا۔ اس دیے کی روشنی میں وہ پڑھ رہا تھا۔ رات تقریباً آدھی گزر چکی تھی۔

یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ فاراب ترکستان کا ایک شہر ہے۔ اس کا رہنے والا یہ لڑکا رات کو دیر تک پڑھتا تھا، اسے علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا، لیکن تھا بہت غریب۔ دن کے وقت استاد سے جو کچھ پڑھتا، رات کو اسے یاد کرتا۔ جب تک پورا سبق یاد نہ کر لیتا، اس وقت تک سوتا نہیں تھا۔ بعض اوقات تو تمام رات ہی پڑھنے میں گزار دیتا تھا۔ اس دن کیا ہوا، دیے کی روشنی اچانک کم ہوگئی۔ اسے بہت دکھ ہوا۔ اس نے بتی کو اونچا کیا، پل بھر روشنی تیز ہوگئی اور پھر دیا بجھ گیا۔ وہ جلتا بھی کیسے۔ اس کا تیل ختم ہو چکا تھا۔ اب تو وہ بہت پریشان ہوا۔ آدھی رات کے وقت تیل کہاں سے لاتا، تمام دکانیں بند تھیں۔ کوئی کھلی ہوتی بھی تو اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ اپنا خرچ چلانے کے لیے وہ محلے کے ایک بچے کو پڑھاتا تھا، اس طرح اسے جو پیسے ملتے تھے، ان کا تیل لے آتا تھا۔ اس بار تیل وقت سے پہلے ختم ہو گیا تھا، لیکن اب ہو بھی کیا سکتا تھا۔ اس نے سوچا، بہتر ہے کتاب سرہانے رکھ کر سو جائے، لیکن ابھی تو اسے دو گھنٹے اور پڑھنا تھا۔ وہ دو گھنٹے کس طرح ضائع کر سکتا تھا اور پھر دوسرے دن کے لیے بھی تو اس کے پاس تیل نہیں تھا، پیسے بھی نہیں تھے، وہ باہر نکلا۔ دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ رات کا اندھیرا ہر طرف پھیل چکا تھا۔ ایسے میں اسے اندھیرے میں روشنی کی ایک لکیر نظر آئی۔ اس کے قدم فوراً روشنی کی جانب لپکے۔ نزدیک پہنچ کر اس نے دیکھا کہ روشنی ایک قندیل سے آ رہی تھی اور قندیل چوکیدار کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے چوکیدار سے بہت باادب لہجے میں کہا:

"اگر آپ اجازت دیں تو میں قندیل کی روشنی میں پڑھ لوں؟ میرے دیے میں تیل ختم ہو گیا ہے۔"

چوکیدار سمجھ گیا کہ بے چارہ غریب طالب علم ہے، چنانچہ اس نے کہا:

"ہاں بیٹا پڑھ لو!" اس نے قندیل کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ شروع کر دیا، لیکن اب مشکل یہ تھی کہ چوکیدار ایک جگہ رک کر تو پہرہ دے نہیں سکتا تھا۔ گھوم پھر کر چوکیداری کرنا اس کی ذمے داری تھی۔ اس لیے اس نے کہا:

"بیٹا اب تم گھر جا کر سو جاؤ۔ میں تمام رات ایک جگہ نہیں رک سکتا۔" اس پر طالب علم نے کہا۔

"آپ ضرور چلتے جائیں۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں گا اور کتاب پڑھتا رہوں گا۔"

چنانچہ چوکیدار چلتا رہا اور یہ پیچھے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اس طرح مطالعہ کرنے میں اگرچہ بہت دقت ہو رہی تھی، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ چار بجے تک پڑھتا رہا، چوکیدار اسے دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ جب رات کے چار بجے تو یہ چوکیدار کا شکریہ ادا کر کے گھر چلا گیا۔ دوسری رات بھی یہی ہوا، تیسری رات لڑکا آیا تو چوکیدار نے کہا:

"بیٹا آپ یہ قندیل لے لیں، میں اپنے لیے اور قندیل لے آیا ہوں۔"

لڑکے نے یہ بات سنی تو اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں بہت بڑا خزانہ آ گیا ہے۔

یہ لڑکا کون تھا۔ وہ بڑا ہو کر ابونصر الفارابی بنا۔ انھوں نے دنیا سے ایک نامور فلسفی کے طور پر اپنا لوہا منوایا۔

پانچ طبقے

ایک روز مسیب بن واضح رحمہ اللہ سے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ عام لوگوں میں بگاڑ اور فساد کیسے پیدا ہوتا ہے؟ مسیب نے کہا کہ مجھے علم نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ خاص لوگوں کے بگاڑ سے عام لوگوں میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ امتِ محمدیہ کے پانچ طبقے ہیں۔ جب ان میں فساد اور خرابی پیدا ہوتی ہے تو سارا ماحول بگڑ جاتا ہے۔

1) **علماء:** یہ انبیاء کے وارث ہیں مگر جب یہ دنیا کے لالچ میں پڑ جائیں تو پھر کسے اپنا امام بنایا جائے۔

2) **تاجر:** یہ اللہ کے امین ہیں۔ جب یہ خیانت پر اتر آئیں تو پھر کسے امین سمجھا جائے۔

3) **مجاہدین:** یہ اللہ کے مہمان ہیں جب یہ مالِ غنیمت چوری کرنا شروع کر دیں تو پھر دشمن پر فتح کس کے ذریعے حاصل کی جائے۔

4) **زاہدین:** یہ زمین کے اصل بادشاہ ہیں جب یہ لوگ برے ہو جائیں تو پھر کس کی پیروی کی جائے؟

5) **حکام:** یہ مخلوق کے نگران ہیں۔ جب یہ گلہ بان ہی بھیڑیا صفت ہو جائیں تو گلے کو کس کے ذریعے بچایا جائے؟ (بکھرے موتی جلد سوم)

محمد معاویہ حیدر۔ مظفر گڑھ

دورۂ حدیث کے طلبہ کے لیے خوشخبری

ارشاد القاری الی صحیح البخاری

نیا کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن مارکیٹ میں دستیاب ہے

کل قیمت 550 روپے

رعایتی قیمت 330 روپے

براہ راست منگوانے پر ڈاک خرچ مفت

تالیف

مفتی اعظم حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد قدس اللہ سرہ

دکان نمبر 11، اسلام کتب مارکیٹ، نزد جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی رابطہ نمبر 0314-2139797

تصویر کی دھمکی

13

اشتیاق احمد

انوار صدیقی اس طرح خاموش ہوگیا، جیسے اب کبھی منہ سے ایک لفظ نہیں نکالے گا... وہ اس کا مطلب سمجھ گئے، گویا وہ کہہ رہا تھا، خود ہی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پڑھ لیجیے... وہ رپورٹ پڑھنے لگے... اس کے مطابق واقعی سردار ہارون کی موت زہر سے واقع ہوئی تھی... اور وہ بھی اس زہر سے جس سے بلی مری تھی... یہ ایک حیرت انگیز انکشاف تھا... زہر جسم میں کسی سوئی کے ذریعے داخل نہیں کیا گیا تھا، منہ کے راستے بھی جسم میں نہیں پہنچا تھا... صرف یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ زہر سانس کے ذریعے جسم میں داخل ہوا ہے... اب سوال یہ تھا کہ زہر سانس کے ذریعے کس طرح داخل ہوا، جب کہ ان کے سامنے سردار ہارون زندہ تھا اور بہت دیر تک نقاب پوش سے باتیں کرتا رہا تھا، پھر نقاب پوش کے فرار کے بعد وہ ان سب سے بھی باتیں کرتا رہا تھا، پھر آخر زہر اس کے سانس میں کیونکر داخل ہوا تھا، اگر زہر کمرے کی فضا میں تھا تو پھر سب کے جسموں میں کیوں داخل نہیں ہوا تھا... یہ صورت چکرا دینے والی تھی...

انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ آفتاب اور آصف بھی چکرا کر رہ گئے... گہری سوچ میں ڈوب گئے... آخر انسپکٹر کامران مرزا کافی دیر بعد بولے:

''ہوں، معاملہ اور اُلجھ گیا ہے... ہمیں اسی وقت چل کر تجوری کا جائزہ لینا چاہیے اور ہاں، سردار ہارون کی موت کی خبر شائع ہوگئی ہے۔''

''جی ہاں، ہوچکی ہے... ایک سب انسپکٹر ڈیوٹی پر بٹھا دیا گیا ہے، جونہی سردار ہارون کا کوئی رشتے دار آئے گا، وہ مجھے فون کر دے گا۔''

''چلیے ٹھیک ہے... آیئے اب سردار ہارون کی کوٹھی چلیں۔''

وہ انوار صدیقی کی جیپ میں روانہ ہوئے... کوٹھی میں فضا اداس تھی... ہر شخص کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی... ان کا استقبال بھی بہت روکھے انداز میں کیا گیا... وہ سیدھے سردار ہارون کے کمرے میں پہنچے... ان کی بیگم سے تجوری کی چابی پہلے ہی لے چکے تھے... چونکہ معاملہ تجوری کا تھا، اس میں زیورات اور نقدی بھی تھی، اس لیے وہ سردار ہارون کی بیگم کو بھی ساتھ ہی لے آئے تھے... اُس کے سامنے تجوری کو کھولا گیا... چونکہ نقاب پوش گزشتہ رات تار کاٹ چکا تھا... اس لیے تصویر نمودار نہیں ہوئی... انھوں نے ایک سرے سے تلاش شروع کی... تجوری کا کونا کونا اور ایک ایک خانہ دیکھ ڈالا... لیکن کوئی لفافہ نہ ملا...

''کہیں ایسا تو نہیں کہ سردار مرحوم نے لفافہ اس رشتے دار کو ہی سونپ دیا ہو۔'' آصف نے خیال ظاہر کیا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے، خود سردار ہارون نے یہ کہا تھا کہ انھوں نے اپنے ایک دور کے رشتے دار کو تصویروں والے لفافے کے بارے میں ایک خط لکھا ہے، یہ نہیں کہا تھا کہ لفافہ بھی اسے بھیج دیا ہے۔'' آصف نے انکار میں سر ہلایا۔

''تب پھر لفافہ کہاں ہے؟'' آفتاب نے کہا۔

''شاید اس تجوری میں کوئی خفیہ خانہ ہے، یا پھر لفافہ کہیں اور رکھا گیا ہے۔'' آصف بولا۔

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ نقاب پوش کل رات ہم سب کے جانے کے بعد پھر آیا ہو۔'' آفتاب نے نئی بات کہی۔

''لیکن انوار صدیقی صاحب، اپنا ایک کانسٹیبل یہاں چھوڑ گئے تھے۔'' آصف نے اعتراض کیا۔

''جی ہاں اور اس نے صبح واپس پہنچ کر یہ رپورٹ دی تھی کہ رات کے باقی حصے میں بالکل خیریت رہی۔'' انوار صدیقی نے کہا۔

''مجھے یقین ہو چلا ہے کہ اس تجوری میں کوئی خفیہ خانہ ہے۔'' آصف نے خیال ظاہر کیا۔

''شاید یہی بات ہے... اب ہم اس بات کو ذہن میں رکھ کر تلاشی لیتے ہیں۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

ایک بار پھر تلاشی شروع ہوئی، لیکن اوپر سے لے کر نیچے تک تلاشی لینے کے بعد بھی انھیں کوئی خفیہ خانہ نظر نہ آیا... وہ سب بری طرح چکرا رہے تھے... اکتاہٹ الگ ان پر سوار ہو چلی تھی... اچانک آفتاب نے کہا:

''ابا جان، ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔''

''خدا کا شکر ہے، تمہاری سمجھ میں ایک بات تو آئی۔'' آصف نے خوش ہو کر کہا۔

''جلدی بتاؤ آفتاب۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

''ابا جان، رات نقاب پوش نے جو تار کاٹ دیے تھے، انھیں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔'' اس نے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا اس سے کیا ہوگا؟'' آصف نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

''اس سے ہوگا یہ کہ ہم تجوری کی تلاشی بالکل اصلی حالت میں لے سکیں گے... اس وقت یہ تجوری اس حالت میں نہیں، جس حالت میں سردار ہارون کو فرم کی طرف سے ملی تھی۔''

''ہوں، تمہاری بات دل کو لگتی ہے... صدیقی صاحب، میرا خیال ہے، یہ بھی کر کے دیکھ ہی لیا جائے۔''

''ٹھیک ہے۔'' انوار صدیقی نے ان کی تائید کی۔

تار جوڑے گئے۔ تجوری کو بند کرنے کے بعد سوئچ آن کر دیا گیا... اب جو تجوری کو کھولا گیا تو سامنے والی دیوار پر وہی تصویر اُبھری اور پھر تصویر کے ہونٹ ہلے:

''خبردار! تجوری کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا... ورنہ تمہارے پرخچے اڑ جائیں گے۔'' یہ الفاظ ختم ہونے کے فوراً بعد تصویر غائب ہوگئی۔ انھوں نے تجوری کے اس حصے کو غور سے دیکھا۔ چوکور ٹکڑے میں سکرین لگی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے شاید ٹی۔ وی کی قسم کی مشینری تھی۔

''اس سکرین کو ہٹا کر دیکھنا چاہیے۔'' آفتاب بولا۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر بولے:

''ہوں، اب یہی کرنا ہوگا۔''

سوئچ آف کر کے انھوں نے پیچ کس کی مدد سے سکرین اُتار ڈالی... اب انھیں بالکل ایسے پرزے نظر آئے، جیسے کسی ننھے سے ٹی۔ وی کے ہوسکتے ہیں... ساتھ ہی ایک وی۔ سی۔ آر قسم کی مشین بھی تھی... اس میں ایک ننھی سی فلم چڑھی ہوئی تھی... مشینری کے نیچے پلاسٹک کی ایک تختی تھی، گویا ساری مشینری اس تختی پر ٹکی ہوئی تھی... کچھ خیال آنے پر انسپکٹر کامران مرزا نے اس تختی کے پیچ بھی کھول ڈالے... دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا... ایک مومی لفافہ وہاں تھا... انھوں نے لفافہ اٹھا کر کھولا تو اس میں تصاویر نظر آئیں... وہ سب کے سب جوش میں بھر گئے... انسپکٹر کامران مرزا نے لفافے کو میز پر الٹ دیا... وہ ایک ایک تصویر کو غور سے دیکھنے لگے... جوں جوں دیکھتے جاتے تھے، اُن کی حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا... یہاں تک کہ جب وہ سب تصویریں دیکھ چکے تھے تو سکتے کے عالم میں بیٹھے رہ گئے... ان کا وہ حال ہوگیا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں... نہ جانے اس حالت میں کتنی دیر گزر جاتی کہ ایک سرد آواز نے انھیں چونکا دیا...

''خبردار! تم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔'' (جاری ہے)

اُف یہ میسج

اف یہ کیا روایت چل پڑی ہے کہ یہ میسج سب کو سینڈ کرو اور جنت حاصل کرو۔ یہ میسج اتنے لوگوں کو سینڈ کرو گے تو خوشیاں ملیں گی۔ اگر سینڈ نہیں کیا تو مصیبت پہنچے گی۔

اکثر میسج بھیجے جاتے ہیں کہ یہ میسج اتنے لوگوں کو سینڈ کرو، اتنی نیکیاں ملیں گی۔ اتنے شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ کیا ہمارا دین اتنا سستا ہو گیا کہ ایک بٹن دبایا اور جنت کمالی۔ ایک بٹن پریس کیا اور سو شہیدوں کا ثواب پالیا۔

اگر یہ بات ٹھیک ہے تو پھر یہ جہاد، نماز، روزہ نوافل صدقہ خیرات کا کیا معنیٰ۔ پھر ذکر واذکار کی کیا ضرورت؟ جب اسلام دشمن لوگوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے ہر حربے آزما لیے تو اب یہ ایک نیا حربہ شروع کیا۔

اب ایک اور میسج مشہور ہو گیا ہے کہ ایک آدمی نے خواب میں نبی پاک ﷺ کی زیارت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا، میری امت کے لوگوں کو بتلاؤ کہ جو بیمار ہیں، وہ قرآن کھول کر پورے قرآن میں تلاش کریں، وہاں ایک سر کا بال ملے گا ہر قرآن میں۔ اسے دھو کر وہ پانی پی لیں تو شفایاب ہوں گے اور یہ کہ وہ بال نبی پاک ﷺ کے ہوں گے، پھر میسج کے آخر میں لکھا ہوتا ہے کہ اگر یہ میسج 20 لوگوں کو سینڈ کرو گے تو خوشیاں پاؤ گے، تمام حاجات پوری ہوں گی اور اگر سینڈ نہیں کیا تو 20 دن کے اندر گھر کا کوئی مرد مر جائے گا۔

اب سوچنے کی بات ہے۔ کیا پیارے رسول اکرم ﷺ نے کبھی اپنی پوری زندگی میں ایسا کوئی حکم دیا ہے۔ نہیں ہر گز نہیں! ذخیرہ احادیث میں ایسی کوئی حدیث نہیں ملتی۔ اگر یہ بات ٹھیک ہوتی تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیمار ہوتے تھے تو آپ ﷺ انھیں ایسا کرنے کا حکم فرماتے، بلکہ آپ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ قرآن میں شفاء ہے۔ قرآن سے شفاء حاصل کرو، فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا کرو وغیرہ!

یقین دلانے کے لیے آخر میں غلط سلط حوالہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ اگر ان کے حوالے کے مطابق قرآن یا حدیث کو کھول کر دیکھا جائے تو وہاں یہ بات نہیں ملتی، لیکن اکثر مسلمان اس پر بالکل بھی غور نہیں کرتے اور تصدیق نہیں کرتے، بلکہ ثواب سمجھ کر آگے سینڈ کر دیتے ہیں۔

خدارا غور کریں! سوچیں سمجھیں! کتنا سخت گناہ کما رہے ہیں، حالانکہ اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید نازل فرمائی ہے۔

اب جو لوگ تصدیق کے بغیر ان میسجوں کو آگے سینڈ کرتے ہیں، وہ سب اس وعید میں داخل ہوں گے۔ ان پڑھ لوگوں کے تو کیا کہنے، کتنے ہی پڑھے لکھے عالم لوگ بھی یہ غلطی کر جاتے ہیں۔ خود میری کافی ساتھی ہیں جو کہ عالمات ہیں، وہ بھی اکثر یہ غلطی کر جاتی ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے آگے سینڈ کر دیتی ہیں۔

اور اسی طرح محبت دوستی پر مشتمل اکثر باتیں لکھتے ہیں اور اس کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ یہ ان کا قول ہے سو یہ بالکل حرام ہے۔

میری تمام مسلمان بہنوں اور بھائیوں سے گزارش ہے کہ خدارا اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔ اگر ایسا کوئی میسج ملے اور آپ اس کو سینڈ کرنا چاہیں تو اس کی تصدیق ضرور کریں۔ اگر تصدیق نہیں کر سکتے تو فوراً ڈیلیٹ کر دیں۔ کسی کو سینڈ ہر گز ہر گز نہ کریں اور دشمنانِ اسلام کی اس سازش کو ناکام بنائیں اور ہاں کچھ مزاحیہ میسج بھی ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر ہمیں لگتا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، حالانکہ اس میں بھی سخت گناہ ہوتا ہے۔ جیسے کچھ لطیفے ہوتے ہیں مثلاً: ایک لطیفہ یہ عام ہوا تھا کہ ایک آدمی دوزخ سے نکل کر جنت کی طرف جا رہا تھا، فرشتے نے اسے پکڑا تو کہنے لگا! ارے مجھے چھوڑو میں جنتی ہوں، دوزخ میں گل خان کو نسوار دینے گیا تھا۔ نعوذ باللہ! دوزخ جس کا نام سن کر مسلمان کی روح کانپ جاتی ہے۔ یہاں اس کا مذاق اڑایا جا رہا!

اور کچھ میسج یوں ہوتے ہیں کہ ایک میسج جن خوب صورت حسین لوگوں کو ملتا ہے، وہ فوراً بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ آپ نہیں ہوئے فلاں بے ہوش! ارے میں تو پورے 3 دن بعد ہوش میں آیا۔ تم حسین ہوتے تو بے ہوش ہوتے ناں۔

اب دیکھیں یہ بظاہر تو ایک مذاق ہے، لیکن حقیقت میں یہ ایک جھوٹ ہے اور ہمارے پیارے رسول اکرم ﷺ نے مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

فرحان احمد گلگتی۔ کراچی

کھڑے نہ ہوں

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے سے جنازہ گزرا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھے رہے۔ اس پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''حضور نبی کریم ﷺ ایک یہودی کے جنازے کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''ہاں! لیکن بعد میں آپ ﷺ جنازے کو دیکھ کر بیٹھے رہتے تھے۔''

(نسائی، مظاہر حق 122/2)

اس سے معلوم ہوا، جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہونا پہلے کا عمل تھا، پھر آپ نے اس سے روک دیا تھا۔ لہٰذا جب جنازہ گزرے تو لوگوں کو کھڑے نہیں ہونا چاہیے۔

عمران الحق رشیدی۔ ملتان

قانون علاج بالغذاء کے عین مطابق
رکھے بیماریوں سے محفوظ
محافظ
HERBAL PHARMA, PAKISTAN
ایک مکمل دماغی اور جسمانی ٹانک
کا خالص قدرتی اجزاء سے تیار کردہ خصوصی ٹانک
محافظ جان
بچوں بڑوں اور بوڑھوں کیلئے یکساں مفید
① محافظ جان حافظہ اور نظر کو تیز کرتا ہے
① آنکھوں کے اردگرد سیاہ حلقے دور کرتا ہے
① پچکے گال اور بے رونق چہرے کو دلکش بارونق بناتا ہے
مسلسل استعمال سے جوڑوں کے درد کیلئے بے مثال......
خواتین کی خوبصورتی کیلئے لاجواب
محافظ جان میں شامل اجزاء دل و دماغ معدہ اور جگر کی خصوصی نگہداشت کرتے ہیں
اگر آپ کسی بیماری کے باعث کمزوری محسوس کرتے ہیں
تو محافظ جان کا استعمال آپکی اندرونی خرابیوں کو دور کر کے آپ کو صحت مند توانا جاذب نظر اور خوبصورت بناتا ہے۔ وہ بھی بغیر کسی سائیڈ ایفیکٹ
چھوٹا ڈبہ 200 گرام 650/-
بڑا ڈبہ 400 گرام 1200/-
● سیف دواخانہ لیاقت مارکیٹ ملتان ● جمال الدین خان بی آئوز اتفاق دواخانہ بلوچستان
● سٹینڈر یونانی دواخانہ چوک گھنٹہ گھر پشاور
● خالد دواخانہ صرافہ بازار ایبٹ آباد ● قدیمی چنیوٹی دواخانہ کچہری بازار سرگودھا
● نیا دواخانہ اسماعیل مارکیٹ شہید روڈ جھنگ ● خان کلینک چنی گوٹھ روڈ علی پور
● محمد نوید ماشاء اللہ جنرل سٹور گلی جامع مسجد اللہ داد والی جہانیاں
فری ہوم ڈیلیوری کیلئے ملک بھر سے ابھی فون کیجئے اور رقم کی ادائیگی پارسل ملنے پر کیجئے
Cell:0308-7520370 - 0334-7629969
قیومی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی 051-5505519

باغیچہ

اسماء طاہر۔ اسلام آباد

گھر میں ہونے والے دنگے فساد سے گھبرا کر وہ باہر نکل آئی۔ بہانہ تھا چھوٹے بھائی کو بہلانے کا۔ وہ قریبی پارک میں چلی آئی۔ اس کا بھائی جلد ہی چھوٹے بچوں میں گھل مل کر کھیلنے لگا۔ وہ ایک بینچ پر جا بیٹھی اور اپنے گھر کے بارے میں سوچنے لگی۔ یہ روز کا معمول تھا۔ وہ پانچوں بہن بھائی آپس میں جی بھر کر لڑتے۔ ایک دوسرے کو نوچتے کھسوٹتے، چیزیں اٹھا کر پھینکتے، توڑتے اور امی دور بیٹھی اونچی آواز میں انھیں برا بھلا کہتیں۔ بددعائیں اور گالیاں دیتیں۔ وہ دن بھر کی تھکی ہاری ہوتیں۔ ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ قریب آ کر بچوں کو ایک دوسرے سے الگ کرائیں یا جھگڑا ختم کرائیں۔ وہ اپنی سوچوں میں ایسے گم تھی کہ اُسے احساس ہی نہ ہوا کہ پاس ہی اُسی کی عمر کی ایک لڑکی آ کر بیٹھ گئی ہے۔ وہ تب چونکی جب اُس نے سلام کیا۔ پھر آپس میں تعارف ہوا۔ اُس نے اپنا نام خدیجہ بتایا۔ وہ بھی اسی محلے میں رہتی تھی، اپنے چھوٹے بہن بھائی کو پارک میں لائی تھی۔ وہ خدیجہ کے ساتھ دیر تک باتیں کرتی رہی۔ ابھی وہ گھر جانا نہیں چاہتی تھی۔ جانتی تھی، سب کے منہ سوجے پھولے اور موڈ خراب ہوں گے۔ خاص طور پر امی کا۔ وہ مسلسل بڑبڑا رہی ہوں گی۔ برتن بج رہی ہوں گی اور ابو بے چارے چپ چاپ کہیں بیٹھے کھانا زہر مار کر رہے ہوں گے۔ دن بھر کی محنت اور تھکاوٹ کے بعد ایک لمحہ سکون کا میسر نہیں تھا انھیں۔

پھر تقریباً روز ہی اس کی خدیجہ سے ملاقات ہونے لگی۔ وہ اچھی لڑکی تھی۔ سادہ اور پر خلوص اور تھوڑی باتونی تھی۔ وہ اپنے گھر کے افراد اور اس میں موجود چیزوں کا مکمل تعارف کرا چکی تھی مگر ماریہ کو جو چیز سب سے زیادہ اچھی لگی، وہ تھا اُس کے گھر میں موجود باغیچہ۔ باغیچہ خدیجہ کا بھی پسندیدہ موضوع تھا۔ وہ روز ہی اس پر بات کرتی۔ تمھیں پتا ہے، ہمارے باغیچے میں اتنے خوب صورت پھول کھلے ہیں۔ کیا رنگ ہے کیا خوشبو ہے، پھر وہ طرح طرح کے پھولوں کے نام لیتی جو ماریہ نے کبھی سنے بھی نہ تھے۔

”ہمارے باغیچے میں مالٹے کا درخت بھی ہے۔ اس پر اتنے مالٹے لگتے ہیں کہ ہم ساری سردیاں کھاتے ہیں، پھر بھی کم نہیں پڑتے۔ آم کا بھی درخت ہے مگر اس پر ابھی پھل نہیں آیا۔ اس کے علاوہ امرود اور سیب کا بھی درخت ہے۔ گلاب کی چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں کئی جگہوں پر لگی ہیں جن پر گلابی اور سفید رنگ کے بے شمار پھول کھلتے ہیں۔ کئی طرح کی پھول دار بیلیں ہیں جو دیواروں پر چڑھی ہیں۔ ہماری دیواریں اندر باہر سے پھولوں سے ڈھکی رہتی ہیں۔ اس دفعہ ہم نے اپنے باغیچے میں تھوڑی سی سٹرابری بھی اُگائی تھی: ”کیا زبردست پھل آیا اور سب سے اہم بات تو بتانا ہی بھول گئی۔ ہم نے کئی طرح کی سبزیاں بھی اُگا رکھی ہیں اپنے باغیچے میں۔“

خدیجہ کا باغیچہ نامہ ختم ہونے والا نہیں تھا اور ادھر ماریہ کا دل مچل مچل کر کہہ رہا تھا، اس باغیچے کو دیکھے بغیر زندگی بے کار ہے۔

”تم چلو ناں ہمارے گھر، ہمارا باغیچہ بھی دیکھنا اور میری امی سے بھی ملنا، وہ بہت خوش ہوں گی۔“

”ہاں ہاں ضرور۔“ ماریہ کی تو دلی مراد بر آئی۔ ”ابھی چلتی ہوں۔“

”نہیں! آج نہیں! تم نے اپنی امی سے میرے گھر جانے کی اجازت تو نہیں لی ناں۔“

”اجازت تو نہیں لی مگر وہ کچھ نہیں کہیں گی۔ میں کہاں گئی، کس سے ملی، انھیں ان باتوں پر غور کرنے کی فرصت ہی نہیں۔“ ماریہ نے لاپروائی سے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر میری امی تو بہت ناراض ہوں گی مجھ پر کہ میں بغیر اجازت تمھیں اپنے ساتھ کیوں لائی۔“ خدیجہ فکر مندی سے بولی۔

”لگتا ہے، تمھاری امی بہت سخت مزاج ہیں۔“

”ایسا بالکل بھی نہیں۔“ خدیجہ نے جلدی سے کہا۔

”وہ تو بہت اچھی اور نرم مزاج ہیں۔ ہم بہن بھائیوں کے دوستوں اور سہیلیوں کو بہت شوق سے گھر بلاتی ہیں۔ اُن کے لیے طرح طرح کے کھانے بناتی ہیں۔ بس وہ اس معاملے میں بہت سخت ہیں کہ بچے ماں باپ کو بتائے بغیر ادھر اُدھر نکل جائیں۔ تم ایسا کرنا، اپنی امی سے اجازت لے کر پارک میں آجانا، پھر میرے گھر چلنا۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“

اگلی صبح ماریہ کی توقع کے عین مطابق اسے اجازت مل گئی اور یوں وہ خدیجہ کے ساتھ اُس کے گھر آ گئی۔ خدیجہ کی امی بہت محبت سے ملیں۔ وہ واقعی ایک خوش مزاج خاتون تھیں۔ صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس تھیں۔ انھوں نے سلیقے سے بال بنائے ہوئے تھے۔ ماریہ کو اپنی امی کا خیال آ گیا۔ صبح سے شام تک کاموں میں مصروف اور کام تھے کہ پھر بھی ادھورے ہی رہتے۔ صبح صبح کسی کی یونیفارم پر استری نہیں ہوتی تھی تو کسی کو پتا چلتا، کپڑے اُدھڑے ہوئے ہیں، یا بٹن غائب ہیں، پھر کسی کا بستہ ہی سرے سے غائب ہوتا اور امی سب کو سکول بھیجنے کے چکر میں کچن اور کمروں میں ماری ماری پھرتیں۔ کبھی ایک کی آواز پر تو کبھی دوسرے کی آواز پر۔ ادھر خدیجہ کا گھر نہایت ہی صاف ستھرا تھا، ہر چیز ترتیب اور سلیقے کے ساتھ اپنی جگہ پر موجود، حالانکہ گھر چھوٹا سا تھا۔

”آؤ میں تمھیں اپنا باغیچہ دکھاؤں۔“ خدیجہ اس کا ہاتھ پکڑے کہہ رہی تھی۔

”ہاں ضرور۔“ وہ اُس کے ساتھ باہر آ گئی، خدیجہ کا باغیچہ اُس کے بیان سے بھی زیادہ خوب صورت تھا۔ چھوٹا سا مگر نہایت سلیقے سے بنا ہوا۔ اس میں پھل دار درخت بھی تھے۔ پھولوں کی بیلیں اور پودے بھی اور سبزیاں بھی۔ ایک چھوٹا سا قطعہ بھی تھا۔ اس میں صرف گھاس تھی بیٹھنے کے لیے تھا۔

”تمھارا مالی کافی ماہر ہے۔“ ماریہ نے تعریف کی۔

”مالی!“ خدیجہ حیرت سے بولی: ”ارے نہیں بھئی! ہمارے گھر کوئی مالی نہیں ہے۔ یہ تو بہت مہنگا پڑتا ہے۔ ہم سب گھر والے اس باغیچے میں کام کرتے ہیں۔ اسے سجاتے سنوارتے ہیں۔ اس کی کانٹ چھانٹ کرتے ہیں۔ چھوٹا ہے ناں اگر روز یہاں کام نہ کریں تو یہ پورا جنگل بن جائے۔“

”بازار سے ہر طرح کی سبزی مل جاتی ہے، یہاں بھی پھول ہی لگا لیتے۔“

”تمھیں تو معلوم ہے سبزی کس قدر مہنگی ہو چکی ہے۔“ خدیجہ بالکل کسی بڑے

کی طرح بولی۔ اب روزانہ ڈیڑھ دو سو روپے کی سبزی کوئی کس طرح خریدے اور ہماری آمدنی اتنی ہے نہیں، سو میں نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم یہاں سبزیاں بھی اُگائیں گے، ایک تو روزانہ کا خرچ بچے گا، دوسرے باہر کی مضرِ صحت سبزی کی بجائے گھر کی صحت بخش اور ذائقے دار سبزی ملے گی۔ میری تجویز سب کو بہت پسند آئی، اب دیکھو ذرا سی محنت سے یہاں سبزیوں کی بہتات ہے۔ ہم خود بھی کھاتے ہیں اور اِدھر اُدھر بھی بھیجتے ہیں۔"

ماریہ کو اپنا صحن یاد آ گیا جو خدیجہ کے صحن سے زیادہ بڑا تھا مگر کاٹھ کباڑ سے بھرا رہتا، کیونکہ امی کبھی کبھی ہی اس کی صفائی کر پاتیں مگر کسی کو وہاں دھنیا تک لگانے کا خیال نہ آیا۔ وہ بھی دکان سے ہی آتا، حالانکہ اُس کے ابو کی آمدنی بھی محدود تھی مگر کسی نے اس بڑے صحن کا فائدہ اٹھا کر سبزی کے خرچے سے جان چھڑانے کا نہ سوچا، یہ دیکھو یہ امرود دیکھنے میں بالکل سفید ہے۔ خدیجہ کی آواز اسے خیالوں سے باہر لے آئی۔ "کچا معلوم ہوتا ہے ناں لیکن کھا کر دیکھو، بہت میٹھا ہے۔" ماریہ نے دیکھا امرود واقعی بے حد میٹھا تھا اور خوشبودار بھی۔ وہاں مختلف پھولوں اور پھلوں کی خوشبو تھی۔ ٹھنڈک تھی اور سکون تھا۔ ماریہ کے دل میں شدت سے خواہش جاگی۔ کاش وہ اپنا سب کچھ خدیجہ سے بدل سکتی۔ اُس کی امی ماریہ کی امی ہوتیں۔ اُس کا گھر ماریہ کا گھر ہوتا اور خاص طور پر اُس کا باغیچہ تو وہ ضرور ہی لینا پسند کرتی۔ خدیجہ کے چھوٹے بہن بھائی سکول سے آ چکے تھے۔ وہ گھر کے اندر آ گئیں۔ خدیجہ نے ہی دستر خوان لگایا۔ اس کے بہن بھائی یونیفارم بدل کر ہاتھ منہ دھو کر آ گئے۔ ان کی امی بھی موجود تھیں۔ سب نے نہایت پرسکون ماحول میں کھانا کھایا۔ ماریہ کو اپنے گھر کے دستر خوان کا منظر یاد آ گیا۔ اُس کے سب بہن بھائی گندے ہاتھ منہ کے ساتھ یونیفارم میں ہی کھانے کے لے بیٹھ جاتے۔ ہر روز ایک تماشا ہوتا۔ چھینا جھپٹی شور شرابا لڑائی۔ کبھی سالن کا ڈونگا اوندھا پڑا ہوتا، کبھی پانی کا جگ اُلٹ جاتا تو کبھی روٹیاں اِدھر اُدھر بکھر جاتیں جب کہ امی کا ایک پیر باورچی خانے میں ہوتا، دوسرا کمرے میں ہر طرف سے انھیں آوازیں پڑتیں۔ امی سالن، امی روٹی، امی پلیٹ، امی پانی۔ ماریہ نے کبھی انھیں سکون سے بیٹھ کر کھانا کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ اُسے اپنی امی پر ترس آیا اور خدیجہ کی امی پر رشک جو ہنستے مسکراتے کھانا کھلا بھی رہی تھیں اور کھا بھی رہی تھیں۔ کھانا ختم ہوا تو خدیجہ نے نہایت سلیقے سے دستر خوان سمیٹا۔ صفائی کی اور پھر باورچی خانے میں برتن دھونے لگ گئی۔

"ارے تم اتنے سارے کام کیوں کر رہی ہو۔" اُسے حیرت ہو رہی تھی۔ خود اس نے کبھی گھر کا کوئی کام جو نہیں کیا تھا۔ "یہ کام تو تمہاری امی کو کرنے چاہئیں۔"

"امی ہماری نوکرانی تھوڑی ہیں۔" خدیجہ برا مان گئی۔

"جتنا کام وہ کرتی ہیں، یہ بھی اُن کا احسان ہے۔ میں تو کوشش کرتی ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اُن کی مدد کروں، تاکہ انھیں بھی آرام کا موقع ملے۔ وہ کپڑے دھوتی ہیں، میں اپنے اور اپنے بہن بھائیوں کے کپڑے استری کر دیتی ہوں، صفائی میں اُن کی مدد کرتی ہوں۔"

ماریہ کو یاد آیا، اس کی امی جب کبھی بھی اُسے کسی کام کے لیے آواز دیتی تھیں، وہ سنی ان سنی کر دیتی تھی۔ امی بے چاری آدھی آدھی رات تک لگی رہتیں۔ صبح پھر فجر کے وقت اُٹھ جاتیں مگر کوئی ان کی مدد کرنا تو درکنار اُن کا ذرا سا شکر گزار بھی نہ تھا۔ اسی لیے وہ اتنی چڑچڑی اور بدمزاج تھیں۔ کسی کو یہ خیال تک نہیں تھا کہ وہ بھی انسان ہیں۔ اُن کا خود اپنے اوپر بھی کوئی حق ہے۔ انھیں بھی آرام کرنے اور زندگی کا لطف اٹھانے کا پورا حق حاصل ہے۔ وہ بار بار اپنی زندگی خدیجہ کی زندگی سے بدلنے کا سوچ رہی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ وہ بھی خدیجہ کی طرح ذمے دار اور اپنے گھر کے افراد خاص طور پر اپنی امی کا احساس کرنے والی بن جائے، ہاں کیوں نہیں۔ اس کے دل نے اُسے دلاسا دیا۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں، بس تھوڑی سی محنت اور دوسروں کا احساس کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے "مددگار" بن جانے سے اس کی امی بھی خدیجہ کی امی کی طرح خوش مزاج اور پرسکون بن سکتی ہیں۔ اس کے گھر میں بھی خدیجہ کے گھر جیسا باغیچہ بنایا جا سکتا ہے، جہاں مختلف پھولوں اور پھلوں کی خوشبو ہوگی۔ ٹھنڈک ہوگی اور سکون ہوگا۔ باہر اُس کا بھائی اُسے لینے آ چکا تھا۔ وہ خدیجہ کے گھر سے واپس جا رہی تھی مگر خالی ہاتھ نہیں، بلکہ ایک بھرپور سوچ لے کر جا رہی تھی۔

ایک حقیقت

میرے والد بزرگوار ختمِ نبوت کے متعلق کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انھیں اکثر حوالوں کے لیے قادیانیوں کی کتابوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں والد صاحب کا چناب نگر جانا ہوا۔ واپس آ کر ابو جان نے ایک مشاہدہ بتایا۔ وہ بڑا عبرت والا ہے۔ ابو جان نے بتایا، میں جتنی دیر چناب نگر رہا، وہاں عجیب گھٹن اور بے چینی کا احساس رہا۔ ابو جان کے ساتھی نے بتایا کہ چناب نگر کے علماء کا کہنا ہے "اگر سخت سردی میں بھی ان کے مخصوص علاقے سے گزرا جائے تو گھبراہٹ کا احساس ہوتا ہے اور یہ اس لیے کہ قریب ہی ان کا نام نہاد "بہشتی مقبرہ" ہے اور اُس میں دفن قادیانیوں کو عذاب پہنچتا ہے۔ اس عذاب کا اثر ہے کہ بہشتی مقبرے کے اردگرد کے علاقے بھی اس عذاب سے متاثر ہوتے ہیں۔

اللہ کی پناہ۔

اختِ مطیع الرحمٰن۔ گوجرانوالہ

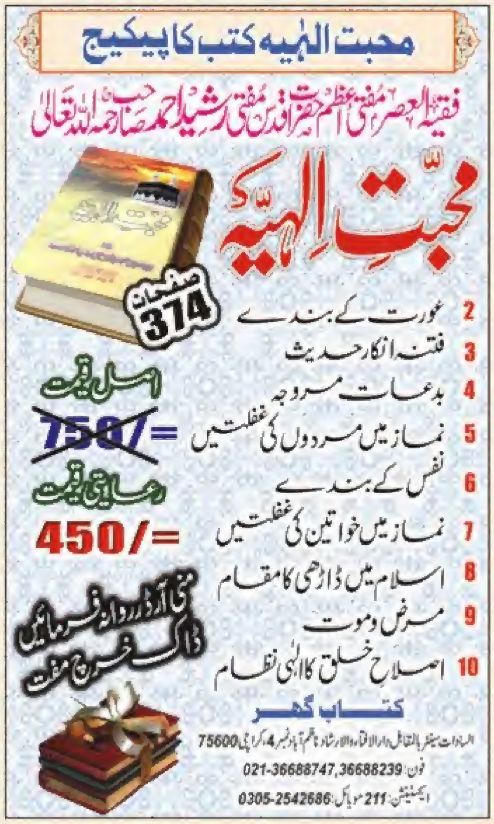

آج بھی

ف۔ح۔کراچی

"آپ نے اعجاز بھائی کو دیکھا۔" مجھے ایک دوست کی آواز سنائی دی۔

"نہیں۔"

"عید کا چاند نظر آ گیا ہے، اس کے چہرے پر کوئی خوشی نہیں ہے۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے... اعجاز بھائی جیسا ہنس مکھ آدمی، خوش نہیں ہوگا۔"

"جی میں نے تو یہی دیکھا ہے... عجیب سا لگا، سوچا آپ کو بتا دوں۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" تھوڑی دور مجھے اعجاز بھائی نظر آئے۔ ان کے چہرے پر سے خوشی بالکل غائب تھی۔

"اعجاز بھائی! السلام علیکم!" میں نے دور سے ہی سلام کر دیا، اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا ہوا... آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"نہیں بھئی... میں تو ابھی اتک اعجاز ہی نظر آ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں پریشان خان نہیں اعجاز خان ہوں۔" میں مسکرایا۔

"مجھے اپنا سمجھو تو کچھ بتا دو... ورنہ تمہارے منہ سے کچھ اگلوایا نہیں جا سکتا۔"

"ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے، اگر کوئی مسئلہ ہوا تو آپ جیسے دوستوں کو نہیں بتاؤں گا تو اور کسے بتاؤں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے چہرے پر ساڑھے تین بج رہے ہیں، یہ کیا ہے؟"

"بھئی... ساڑھے تین پر سیل ختم ہو گیا ہوگا... ورنہ اس وقت بھی ٹائم بالکل صحیح ہے میرے چہرے کا۔" اعجاز بھائی کی بات کانٹا بن کر اٹک گئی۔ مجھے بے قراری تھی، میں نے گھر والوں سے بات کی، اعجاز بھائی کی بیوی سے سب معلوم ہو گیا کہ عید سے چند روز پہلے تنخواہ ملی، پیسے نکلوا کر لا رہے تھے کہ ان کو لوٹ لیا گیا۔ وہ بالکل کنگال رہ گئے۔ قرض لینا ان کی شان کے خلاف تھا۔ بیوی نے ہزار کہا کہ میرے زیور میں سے کچھ نکال لیں، والدین سے مانگ لیں۔ مگر اعجاز بھائی کی خودداری درمیان میں آ جاتی ہے۔ میں نے اس رات مصلے پر عبادت کے بجائے دوسری عبادت کا فیصلہ کیا۔ مارکیٹیں رش سے لدی ہوئی تھیں۔ فحاشی اور بے پردگی کا ایک سیلاب ایمان کے جھنڈے کو گرانے کے لیے پورے عروج پر تھا۔ مارکیٹوں میں نئی نسل کی مستیاں، رمضان کے نور کو جلا کر راکھ کر چکی تھیں، لیکن میں نے اعجاز بھائی کے پورے گھر کے لیے 15، 20 ہزار کے کپڑے لیے، کچھ اور سامان اور عید کا راشن لیا۔ رات گیارہ بجے سے دو بجے تک مجھے یہ سب کرنا پڑا لیکن میں نے دل پر پتھر رکھ کر کیا۔ ان سب چیزوں سے فارغ ہو کر میں نے رات تین بجے گاڑی اعجاز بھائی کے گھر کے سامنے روک دی۔ گھنٹی بجائی تو اعجاز صاحب باہر آئے، نیند ان کی آنکھوں میں تھی ہی نہیں۔

"آپ جاگ رہے تھے؟"

"جی۔"

"کیوں جاگ رہے تھے؟"

"اگر میں کہتا کہ سو رہا تھا تو آپ پوچھتے کہ کیوں سو رہے تھے؟"

"ٹھیک ہے آپ نہیں بتا رہے، بھابھی کو بلائیں، میری اہلیہ ان سے ملنے آئی ہیں۔" میں نے گاڑی میں اپنی بیوی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اس وقت، رات تین بجے کیا کام تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"عورتوں کی عورتیں جانیں، آپ بھابھی کو اٹھا دیں۔" وہ ہمیں لے کر اندر چلا گیا۔ میں اس کے کمرے میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اہلیہ کی آواز آئی۔ "آ جائیں۔"

"آج تو پانچ منٹ میں دونوں کی باتیں ختم ہو گئیں ہیں۔" میں نے کندھے اچکا دیے اور گاڑی کی چابی ہاتھ میں لیے باہر نکل گئے۔

"بڑی مشکل سے لیے ہیں۔" گاڑی میں اہلیہ نے بیٹھتے ہی بات کی۔ میرے فون کی گھنٹی بجی۔ یہ اعجاز کا فون تھا۔

"بھئی یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔" اعجاز بھائی یہ کہتے ہی رو پڑے۔

"میرے دوست کا سارا خاندان پرانے کپڑے پہنتا تو یہ ٹھیک ہوتا؟"

"کم از کم مجھ سے پوچھ لیا ہوتا۔"

"پوچھا تو تھا... تم نے مجھے بتانے سے ہی انکار کر دیا تھا۔" میری آواز تیز ہو گئی۔

"نہیں بھائی! تم نے ٹھیک نہیں کیا۔"

"ٹھیک تم نے نہیں کیا... مجھے غیر سمجھا ہے... اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔" میں نے فون بند کر دیا۔ اپنے دوست کی مدد کر کے مجھے بہت خوشی تھی۔ اس سے زیادہ مستحق ضرور موجود تھے مگر وہ تو میرا دوست تھا نا، اس کی مدد میں نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔

☆

عیدالاضحیٰ کا چاند نظر آ گیا۔ اعجاز بھائی کا فون آیا۔

"بھئی... جانور لینے جانا ہے، میرے ساتھ چلو۔" میں نے معذرت کر لی، کیونکہ میری مصروفیت بہت زیادہ تھی۔ اپنا جانور میں نے بھانجے کے ذریعے منگوایا تھا۔ عید کا دن آیا تو میری حیرت سے سٹی گم ہو گئی۔

"اعجاز، یہ کیا ہے... اس عید پر پھر تمہارے کپڑے پرانے ہیں۔" مجھے غصہ آ گیا۔

"یہ عید کھانے کی ہوتی ہے، پہننے کی نہیں ہوتی۔"

"کتنی بار کہا ہے کہ کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ... آخر تم کب مجھے اپنا سمجھو گے... کیا تمہارے میرے اوپر احسان نہیں ہیں۔" اس کے کپڑے دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔

"او... بھائی، مجھے کچھ ضرورت نہیں ہے۔"

"تو پھر یہ کیا ہے؟" میں نے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

"بھائی... ہر دفعہ پندرہ بیس ہزار کپڑوں پر خرچ ہو جاتے ہیں... ہم نے وہ سب پیسے جانور پر خرچ کر دیے... اس سے ایک آدھ جانور زیادہ آ جائے گا... وہ گوشت کوئی غریب کھا لے گا... لیکن۔"

"رک کیوں گئے۔"

"اس لیے رک گیا کہ پتا نہیں تم میری بات سن بھی رہے ہو یا نہیں۔"

"سن رہا ہوں... بولو، بولو۔"

"لیکن یہ کہ میرے اس ارادے کو میرے کئی اور ساتھیوں نے پکڑ لیا۔ کرتے کرتے ہم لوگوں نے وقف کے طور پر قربانی کرنے کے لیے پیسے الگ کر لیے اور اب ہمارے پاس بارہ گائے ہیں، محلے کی کرکٹ ٹیم کے ذمے ہے پورے علاقے کے غریبوں میں وہ گوشت تقسیم کرے اور ہم سب ساتھیوں نے باقی ذمے داریاں لے لی ہیں کہ کون کیا کرے گا۔" وہ سانس لینے رکا۔

"تو مجھے کیوں نہیں بتایا گیا... کیا میں تمہارا دوست نہیں، تمہارے محلے کا آدمی نہیں... بہت افسوس ہوا، تم لوگ مجھے معلوم نہیں کیا سمجھتے ہو۔" مجھے شدید غصہ آ گیا۔

"بھائی تمہارے دفتر نے تمہیں اسلام آباد اور لاہور بھیجا تھا... تم اتنے مصروف تھے کہ ملاقات ہی نہ ہو سکی۔"

"مجھے فون ہی کر لیا ہوتا، تمہاری دوستی ہی فضول ہے۔ اتنے بڑے نیکی کے کام سے محروم کر دیا۔"

"ارے... اتنی جلدی ناراض ہو گئے۔"

"تو اور کیا، کام ہی ایسا کیا ہے تم نے۔" میں غصے سے جانے لگا۔ (باقی صفحہ پر)

مصر کی فتح

مولانا محمد ہاشم عارف۔ کراچی

مسلمانوں کا لشکر آگے بڑھتا رہا، موجودہ قاہرہ کے مقام پر دریائے نیل کے مشرقی کنارے ایک مضبوط قلعے میں مقوقس اور اس کی فوج قیام پذیر تھی۔ مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کافی عرصے جاری رہا مگر فتح کی صورت نظر نہیں آئی۔ آخر حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدد کے لیے لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہ ہزار فوج ان کی مدد کے لیے روانہ کی۔ اس فوج کے سرداروں میں حضرت زبیر بن عوام، حضرت مقداد بن اسود، حضرت عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد جیسے جانباز بھی شامل تھے۔ بقول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان چاروں میں ہر ایک ایک ہزار آدمیوں کے برابر تھا۔ اس مدد کے پہنچنے کے بعد مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ حضرت عمرو بن العاص نے منجنیق لگا کر قلعہ پر سنگ باری شروع کر دی۔

قلعے کی دیواریں اونچی اور بہت مضبوط تھیں۔ کافی دنوں کی سنگ باری سے صرف چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک دن حضرت زبیر بن عوام سیڑھی لگا کر قلعے کی فصیل پہ چڑھ گئے اور پھر سب نے مل کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ نعرہ تکبیر کا لگنا تھا کہ رومی فوج بدحواس ہوگئی۔ انھوں نے پہلے ہی قلعے کی پشت پر دریائے نیل میں کشتیوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ ان کشتیوں میں بیٹھ کر وہ جزیرہ روضہ کی طرف فرار ہوگئے اور وہاں ایک دوسرے قلعے میں پناہ گزین ہوگئے۔

مقوقس نے مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کی شکست اپنی آنکھ سے دیکھ لی تھی، پھر وہ اپنی بیٹی کی واپسی کی وجہ سے یوں بھی مسلمانوں کا احسان مند تھا۔ اس نے اپنے سرداروں سے مشورے کے بعد حضرت عمرو بن العاص کے پاس صلح کے لیے سفیر روانہ کیے۔ حضرت عمرو بن العاص نے موقع غنیمت جانتے ہوئے جواب دینے کی بجائے انھیں دو دن تک اپنے پاس رکھا، تاکہ وہ مسلمانوں کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔

مقوقس کے سفیر جب اس کے پاس پہنچے تو اس نے اُن سے مسلمانوں کے حالات دریافت کیے۔ انھوں نے جواب دیا:

''اے بادشاہ! مسلمان ایک ایسی قوم ہیں جنھیں موت زندگی سے زیادہ پیاری ہے۔ جنھیں تواضع تکبر سے زیادہ پسند ہے۔ ان میں سے کوئی شخص دنیا کا لالچی نہیں۔ وہ زمین پر بیٹھنے میں شرم نہیں سمجھتے اور بغیر دستر خوان کے کھانا کھا لیتے ہیں۔ ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے۔ کسی بات میں ان سے الگ نہیں۔ اعلیٰ و ادنیٰ اور آقا و غلام کی ان میں تمیز نہیں۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو سب وضو کر کے ایک قطار میں خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔''

مقوقس نے جب مسلمانوں کے یہ اوصاف سنے تو اس نے اپنی قوم سے کہا:

''اے قوم! یہ جماعت اگر پہاڑوں سے بھی ٹکرائے گی تو انھیں بھی اپنی جگہ سے ہلا دے گی۔ خیریت اسی میں ہے کہ اس سے پہلے کہ یہ ہم پر حملہ کریں، ان سے صلح کر لیں۔''

چنانچہ اس کے بعد مقوقس نے خود اسلامی سپہ سالار حضرت عمرو بن العاص سے ملاقات درخواست کی، پھر مسلمانوں اور قبطیوں میں چند آسان شرائط پر صلح ہوگئی۔ یوں مصر فتح ہوگیا۔

قیصر روم کو جب مقوقس کے اس معاہدے کی خبر پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اس نے مقوقس کو پیغام بھیجا کہ وہ فوراً اس معاہدے کو منسوخ کر دے اور رومی افسران کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے، لیکن مقوقس نے قیصر کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔

عیسائی مورخوں کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ مصر کے قبطی رومیوں کے مظالم سے تنگ تھے اور وہ قیصر روم کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق کا بھی مشاہدہ کر لیا تھا اور انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ جن لوگوں پر وہ فتح پا لیتے ہیں، ان کے دینی و معاشرتی معاملات میں کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کرتے، انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ شام اور ایران کے میدانوں میں انھوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت اپنی تلواروں کی نوکوں سے الٹ دیے ہیں۔ مصر کی رومی طاقت ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتی۔ ان حالات میں قدرتی طور پر ان کا ایک ہی فیصلہ ہو سکتا تھا اور وہ یہ کہ قیصر روم کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکیں اور مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ (تاریخ ملت)

اس واقعے میں ہمیں جہاں مصر کی فتح کے بارے میں معلوم ہوا، وہاں ہمیں صحابہ کرام کے اوصاف کے بارے میں بھی علم ہوا۔ ہم واقعات تو بہت پڑھتے پڑھاتے اور سنتے رہتے ہیں، لیکن اصل بات کی طرف ہمارا ذہن نہیں جاتا، وہ ہے ''عمل''، عمل سے ہی دنیا بھی بنے گی اور آخرت بھی۔ عمل نہ ہو تو علم بے کار ہے۔ لہٰذا ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم جو کچھ بھی اچھی بات پڑھیں یا سنیں فوراً اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

O

ہم ''وکی پیڈیا'' ویب سائٹ کے ذریعے بسوں وغیرہ کے کرائے معلوم کر چکے تھے جو ہمیں ائیر پورٹ سے قاہرہ شہر کے وسط میں موجود ''تحریر اسکوائر'' تک پہنچاتی۔ بس کا کرایہ فی فرد 35 مصری پاؤنڈ تھا۔

ائیر پورٹ سے سامان کی وصولی کے بعد ہم جیسے ہی خارجی دروازے کی طرف بڑھے، ہمیں چاروں طرف سے ٹیکسی ڈرائیوروں نے گھیر لیا، لیکن ہم اپنے چہرے پر ''نو لفٹ'' کا بورڈ لگا کر تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔ عمر نے پیچھے سے آواز دی کہ کسی سے ریٹ تو معلوم کرو، پتا تو چلے کہ کیا کرایہ مانگ رہے ہیں۔

''ابھی ہماری یہ بات چیت چل رہی تھی کہ ایک شخص نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا Can You Need Taxi کیا آپ کو ٹیکسی چاہیے۔ بہت کم کرایہ لوں گا۔''

یہ بات اس نے اتنے ملائم انداز سے کی کہ ہم دونوں اس کی جانب متوجہ ہوگئے۔

''How Much کتنے لو گے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کہاں جائیں گے۔'' اس نے پوچھا۔

''تحریر اسکوائر۔''

''ساٹھ پاؤنڈ۔'' اس نے سوچ کر جواب دیا۔

عمر نے فوراً سر ہلا کر کہا۔ ''او کے۔ ٹھیک ہے، چلو گاڑی کہاں ہے۔''

وہ ہمیں ائیر پورٹ کے پارکنگ لاؤنج میں ایک پرانے زمانے کی ٹویوٹا کرولا کے پاس لے آیا اور ڈگی کھول کر ہمارا سامان اس میں رکھنے لگا۔ میں نے اپنا سفری بیگ اور کیمرے کا اسٹینڈ اُسے دے دیا اور اپنے دونوں کیمرے اپنے ساتھ رکھ لیے، تاکہ راستے میں تصویریں کھینچ سکوں۔

عمر کو میں نے آگے بیٹھنے کی آفر کرتے ہوئے اگلا دروازہ بڑے مؤدب انداز میں کھول دیا۔ عمر نے بیٹھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی۔

''نہیں تم آگے بیٹھو۔'' عمر نے کہا۔

''نہیں تم آگے بیٹھو! ایک تو تم امیر ہو، دوسرا چونکہ مجھے دو کیمرے سنبھالنے ہیں اور تصاویر کھینچنی ہیں، اس لیے مجھے پیچھے ہی بیٹھنے میں سہولت ہے۔''

پھر ہماری ٹیکسی ائیر پورٹ کی حدود سے نکل کر تحریر اسکوائر کی طرف روانہ ہوئی۔

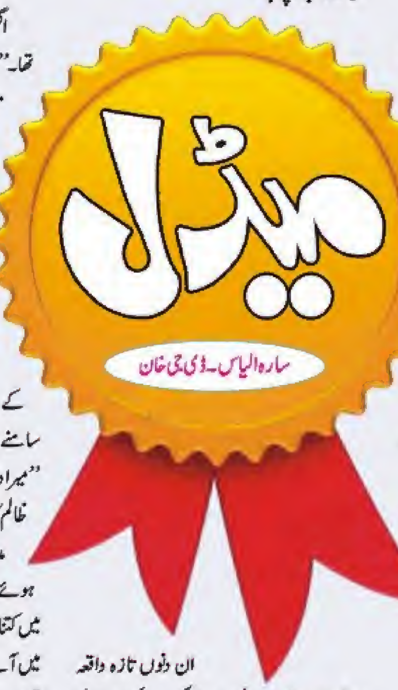

''دادی دادی پتا ہے، ظہیر کی امی کو میڈل ملا ہے۔'' ننھا ابوذر بڑے جوش سے کہہ رہا تھا۔ ''اور فلاں فوجی آئے تھے، انھیں لے گئے، ظہیر بھی تھا ساتھ، کہہ رہا تھا اور بھی بہت سے شہیدوں کے گھرانوں کو شیلڈ وغیرہ دیے ہیں۔'' ''اچھا'' میں نے اپنی دلچسپی ظاہر کی۔ ''دادی! ایک بات پوچھوں؟'' یک دم اس کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

''پوچھو دادی کی جان۔'' میں نے کہا۔

''امی کہتی ہیں ابو بھی شہید ہوئے ہیں؟ ہیں نا؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں میرے بچے۔''

میں نے جواب دیا۔

''پھر کیوں یہ لوگ ہمیں میڈل نہیں دیتے؟'' اس کا سوال تھا یا وزنی ہتھوڑا جو ٹھاہ، ٹھاہ کر کے میرے سر پر بجنے لگا۔ مجھے چکر سا آنے لگا، آنکھیں شاید نم ہو گئیں، جبھی تسیم نے اسے ڈانٹ کر اپنے پاس بلا لیا۔ ''کیوں دادی کی جان کھاتا ہے، ادھر آ۔''

اور میں آنکھیں موند کر لیٹ گئی، کئی ہتھوڑے ٹن ٹن میرے سر پر بجنے لگے۔

''ان کا بیٹا دہشت گردوں کا ساتھی بن گیا تھا۔''

''دماغ خراب تھا ان کا، بیوہ تھی، اکلوتا بیٹا محاذ پر بھیج دیا۔''

''جی جی! آپ کے گھر کی تلاشی لینی ہے، دہشت گردوں سے کوئی تعلق ہے آپ کا؟''

''دہشت گرد تھا۔''

''امن کے دشمن ہیں یہ لوگ۔''

''پرائی کیا پڑی ہے، اپنا پیٹ بھرتا نہیں کشمیر کو آزاد کرانے چلے ہیں۔''

''دہشت گرد، دہشت گرد، دہشت گرد، دہشت گرد۔''

ان متواتر پڑنے والی ضربوں نے جب سر چٹخا دیا تو دل میں بھی درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔ میٹھا میٹھا سا یہ درد اب تو میرا رفیق تھا۔ یہ درد طلحہ کے جانے کا نہیں تھا۔ بخدا! وہ خوش خبری جب مجھے ملی تھی، میں نے شکرانے کے نفل پڑھے تھے، کتنے ہی نفل۔ یہ درد تو لوگوں کی باتوں نے دیا تھا۔ بے رحم، ظالم باتوں نے۔

درد کی اس تازہ لہر نے، ایک پرانی یاد، ذہن کے پردے پر روشن کر دی۔

''امی جان! میں آپ سے رسمی طور پر اجازت مانگ رہا ہوں، اگرچہ جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے اسی دن کے لیے تیار کیا تھا، پہلی بات میرے کان میں یہی پڑی تھی، پہلا جذبہ میرے دل میں یہی جگایا تھا آپ نے، پھر بھی میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ کیا آپ مجھے کشمیر جانے کی اجازت دیں گی؟'' اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور لہجہ مضبوط تھا۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' میں نے دل میں کہا اور بولی۔ ''طلحہ بچے! میں کب تیرے پاؤں کی زنجیر بنی ہوں؟ تو تو اللہ کا ہے، اسی کی راہ کے لیے تجھے پالا تھا، میں نے، جا بچے جا۔''

ان دنوں تازہ واقعہ ہوا تھا، ایسا واقعہ جو ہر غیرت مند کی روح کو تازیانہ لگا دیتا، مگر افسوس!

کافی دن اخباروں میں وہ واقعہ اچھالا گیا، ہیومن رائٹ کی تنظیموں نے بھی بھارتی فوج کے خلاف جلوس نکالے، مگر غصہ یوں ہی ٹھنڈا کر لیا گیا۔ کوئی عملی قدم نہ اٹھایا گیا تھا۔ میں جانتی تھی، طلحہ سو نہیں سکا، کئی دنوں سے میں منتظر تھی۔ وہ کب آ کر مجھ سے یہ سب کہے اور جاتے ہوئے وہ بولا تھا:

''ماں! تسیم کا دھیان رکھنا! اور میری شہادت کی دعا کرنا۔''

میں نے اس کا کیا دھیان رکھنا تھا، وہ بچی بھی میرے خیال سے اپنے آنسو اندر اتار لیتی تھی، پھر ننھا ابوذر آ گیا تو اس کا دھیان بٹ گیا۔ انھی دنوں وہ واپس آیا تھا، ''کچھ کام تھا اس طرف، میں نے سوچا، آپ سے ملتا چلوں۔'' میں اس کو دیکھ رہی تھی۔ ''چچا رقم پہنچا دیتے ہیں باقاعدگی سے زمینوں کی؟'' وہ کچھ فکر مند تھا۔

''ہاں۔'' ''ماں! یہ میرے جیسا ہے بالکل ہے نا۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''نہیں! یہ اپنے دادا پر گیا ہے، تجھ سے ذرا بھی نہیں ملتا۔''

''ہاں آپ تو یہی کہیں گی، تسیم کہہ رہی تھی، اس پر گیا ہے، آئینہ ہے میرا بیٹا کیا؟ جو دیکھتا ہے اپنا عکس نظر آ جاتا ہے۔''

اور ہم سب ہنس دیے تھے۔

اگلی دفعہ وہ نہیں آیا تھا۔ جاتے ہوئے کہہ کر گیا تھا۔ ''اب وہاں سے واپسی تب ہی ہو گی جب اپنا مقصد پالیں گے، فتح یا شہادت۔'' اور اس نے اپنی منزل پالی تھی، میں خوش تھی کہ میری محنت ٹھکانے لگی مگر لوگوں کی ظالم باتیں میرا کلیجہ چھلنی کر دیتی ہیں۔

خیالوں کی دنیا سے باہر نکلی تو تسیم کی رندھی ہوئی آواز میرے کانوں میں پڑنے لگی۔

''بیٹا! تمہارے ابو ان میڈل اور شیلڈ کے لیے تو شہید نہیں ہوئے، نہ ان لوگوں کے سامنے ہیرو بننا ان کا مقصد تھا۔ پتا ہے وہ کہتے تھے کہ ''میرا دل چاہتا ہے'' دنیا سے ظلم کا خاتمہ کر دوں، ہر ظالم کا ہاتھ روک دوں۔'' وہ اپنے بھائی بہنوں کی مدد کرنے گئے تھے، اس دوران وہ شہید ہوئے۔ ان کا صلہ رب دے گا، تم دیکھنا وہاں جنت میں کتنا اعلیٰ درجہ ہو گا ان کا۔ دنیا کا کیا ہے، جو دل میں آئے کہے، حق تو حق ہے ناں، سچ یہی ہے کہ تمہارے ابو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اس اعزاز کے سامنے کسی میڈل، کسی شیلڈ، کسی خطاب کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔''

''امی ابو اور کیا کہتے تھے۔''

اس نے پوچھا، تسیم ہولے ہولے اسے طلحہ کی باتیں سنانے لگی اور میرا دل چاہا کہ میں اٹھوں اور ساری دنیا سے چیخ کر کہوں:

''ہاں اگر یہ دہشت گردی ہے تو ہم دہشت گرد سہی، ہم اقراری مجرم ہیں۔ تم ایک بیٹا مارو گے، ہم مائیں دوسرا بھیج دیں گی، پوتا بھیج دیں گی، ایک دن تو ظلم کا سیاہ بادل چھٹے گا، آزادی کا سورج طلوع ہو گا، ہمارے کشمیری بہن بھائی بھی آزادی کا سویرا دیکھیں گے، اس دن ہم سرخ رو ہوں گے۔''

میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے دل میں کہا، تسیم نے میری جگہ سنبھال لی ہے اور ''دہشت گردی'' کی یہ اکیڈمی ایک نیا مجاہد تیار کر رہی ہے۔ یہ سلسلہ تو یوں ہی چلتا رہے گا، ''فتح یا شہادت'' میں نے سوچا اور میٹھی نظروں سے ان دونوں کو دیکھنے لگی۔

کرائے دار

امینہ بتول۔ملتان

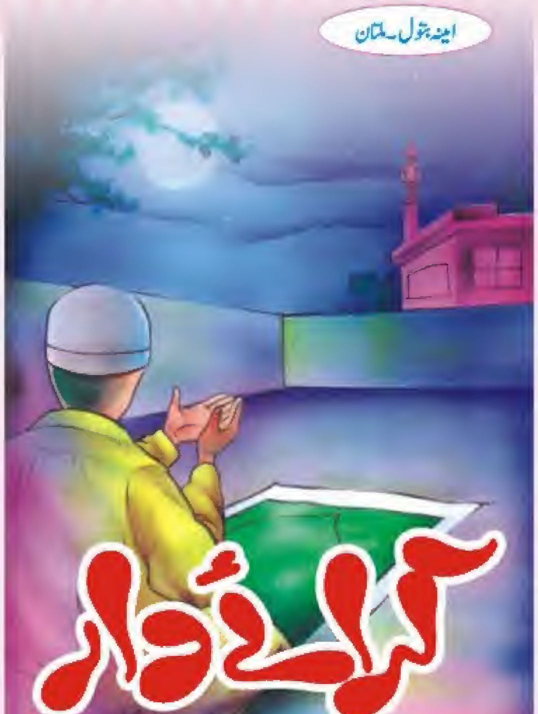

رات کے تین بج رہے تھے۔ فلم ختم ہونے کے قریب تھی اور میری نظریں کمپیوٹر سکرین پہ جمی تھیں۔ بہت سنسنی خیز قسم کی فلم تھی اور ایسی فلمیں مجھے بے حد پسند تھیں۔ ساڑھے تین بجے کمپیوٹر بند کرنے کے بعد میں اٹھا، جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر پیا اور سونے کے لیے بستر ٹھیک کرنے لگا۔ میرے ذہن میں فلم کی کہانی اب تک گھوم رہی تھی۔ یہی سوچتے ہوئے میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

یکا یک کسی سرسراہٹ کی آواز پر میں بیدار ہوگیا، اب واضح طور پر قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی، پھر جیسے کوئی آہستہ آہستہ سیڑھیاں اوپر چڑھنے لگا۔ اس ہفتے میں تیسری بار یہ ہورہا تھا اور اب اسے جھٹکنا میرے لیے ممکن نہیں تھا، ورنہ پہلے دو مرتبہ میں اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کرتا آیا تھا۔ وہم بار بار نہیں ہوتا۔ یقیناً کوئی بات تھی۔ میرے ذہن میں بلی کا خیال آیا مگر بلی؟ سیڑھیاں تو لاؤنج میں تھیں اور میں دروازے اچھی طرح بند کر کے سوتا ہوں۔

''شاید فلم میرے اعصاب پہ سوار ہوگئی ہے۔'' یہ ایک قوی امکان تھا مگر اگلے ہی لمحے چھت کی زنگ آلود کنڈی کھلنے کی آواز نے مجھے حقیقتاً خوف میں مبتلا کر دیا۔ پہلی دو مرتبہ دروازہ نہیں کھلا تھا۔ شاید کوئی چور، لیکن اگر چور ہوتا تو چھت پہ کیا لینے گیا؟ وہاں تو کچھ بھی نہیں۔ کہیں عبدالصمد صاحب، نہیں نہیں وہ اس وقت چھت پہ کیا کرنے جائیں گے بھلا؟ گھر میں صرف میں اور عبدالصمد تھے۔ تو پھر کون تھا؟ اس سے زیادہ میں نہ سوچ سکا اور لحاف منہ پہ ڈال لیا۔

○

اگلی صبح میں حسب معمول دیر سے جاگا۔ ملازم کو ناشتا بنانے کے لیے کہا اور خود نہانے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں ناشتے کی میز پر پہنچا تو ملازم سے کہا، عبدالصمد کو بلا لاؤ۔

''صاحب، شاید میرے آنے سے پہلے ہی وہ آفس چلے گئے ہیں، کیونکہ ان کے کمرے میں کوئی نہیں ہے۔''

''اچھا!'' میں چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔

''آپ فیکٹری نہیں جائیں گے آج؟''

''نہیں! چند فائلیں دیکھنی ہیں اور وہ نیازی صاحب دوپہر میں آکر دے جائیں گے۔'' میری طبیعت میں سستی اور بےزاری تھی۔

○

عبدالصمد صاحب نے چند دن پہلے ہی میرے گھر کا ایک کمرہ کرایے پہ لیا تھا۔ وہ ایک باریش اور وجیہہ نوجوان تھے اور اپنی نوکری کے سلسلے میں اس شہر میں آئے تھے۔ ایک دوست کے ذریعے میری ان سے ملاقات ہوئی۔ انھیں رہائش کی جگہ درکار تھی۔ میں چونکہ اکیلا رہتا تھا، سو مناسب کرایے پہ وہ میرے ہاں رہنے لگے۔ ویسے بھی گھر کے تینوں کمرے خالی تھے۔ ایسے میں میری تنہائی بھی دور ہوگئی تھی۔

کاروبار کے سلسلے میں یہاں مقیم تھا۔ گھرانہ گاؤں میں رہتا تھا۔ رہائش کے ساتھ دو وقت کا کھانا بھی کرایے میں شامل تھا۔ میں نے کھانا بنانے اور دوسرے کاموں کے لیے ایک ملازم رکھا ہوا تھا۔ وہ صبح سے شام تک کے لیے آتا تھا۔

عبدالصمد مجھ سے ایک دو برس ہی بڑے ہوں گے مگر تھے بڑے بھلے مانس۔ خوش اخلاق اور بے ضرر قسم کے انسان۔ یہ اندازہ تھوڑے ہی دنوں میں ہوگیا تھا۔ وہ باجماعت نماز پڑھتے اور جب بھی مسجد جانے لگتے مجھے ضرور دعوت دیتے۔

''آیئے آصف صاحب، آپ بھی نماز پڑھنے چلیں۔''

اس سلسلے میں میں اکثر ٹال مٹول سے کام لیتا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ جمعے کے علاوہ میں نے کبھی نماز کو اہمیت نہیں دی تھی۔ اب تقریباً روز ہی رات کے تیسرے پہر چھت سے آوازیں آتیں، قدموں کی چاپ سنائی دیتی مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں معاملے کی اصل وجہ جان لیتا۔ حیرت انگیز طور پر عبدالصمد نے مجھ سے ایسی کسی بات کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ میں نے بھی فوراً انھیں بتانے سے گریز کیا۔ شاید وہ بہت گہری نیند سوتے تھے۔

ایک صبح میں شدید غصے میں تھا اور اونچی اونچی آواز میں اپنے ملازم کو کوس رہا تھا۔ میری قیمتی گھڑی غائب تھی اور ملازم پہ شک تھا۔ وہ بے چارہ اس واقعے سے انکاری تھا مگر مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ عبدالصمد دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ انھیں پتا چلا تو مجھے ٹھنڈا کرتے ہوئے بولے:

''آصف صاحب، بلاوجہ شک مت کریں، پہلے آپ خود گھڑی تلاش تو کریں۔'' ان کی بات صحیح نکلی۔ میں خود ہی اپنی گھڑی ڈرائنگ روم میں رکھ کر بھول گیا تھا۔ ڈھونڈنے پر وہ مل گئی۔

''بہت زیادہ شک اور گمان کرنا اچھی بات نہیں۔ قرآن میں ہے: اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔'' ملازم کے جانے کے بعد انھوں نے بہت خوب صورت انداز میں مجھے سمجھایا۔ مجھے شرمندگی ہونے لگی، کیونکہ یہ میری عادت تھی، میں اکثر ہی بدگمانی کرتا تھا۔

○

دو ہفتوں تک مسلسل چھت والا واقعہ پیش آتا رہا تو تجسس سے مجبور ہو کر میں نے حقیقت جاننے کا فیصلہ کرلیا۔ رات کے تین بجے دبے دبے قدموں کی آواز آرہی تھی۔ میں ہمت کر کے اٹھا اور اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر لاؤنج میں آگیا۔ پتا نہیں کیا سوچ کر میں نے عبدالصمد کے کمرے میں جھانکا تو حیران رہ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھے۔ کچن اور ہر جگہ دیکھ لینے پر بھی وہ نہیں ملے۔ اب صرف چھت رہ گئی تھی۔ ''کیا عبدالصمد چھت پر ہیں؟ آخر وہ وہاں کیا کرنے جاتے ہیں؟'' میں الجھنے لگا۔ میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات آنے لگے۔ شیطان نے میرے دل

میں بدگمانی ڈال دی اور میں ان کے متعلق منفی انداز میں سوچنے لگا۔ مجھے خیال آیا، وہ چھت پر اندھیرے میں شاید کوئی سفلی عمل کرنے جاتے ہوں اور مسلسل دو ہفتوں کے واقعات کی کڑی انھی سے ملتی ہوگی۔ "ہنہ بڑے دین دار بنتے ہیں، دن میں نمازیں اور رات میں یہ کام۔" میں نے ہنکارا ابھرا اور اپنے تئیں انھیں "رنگے ہاتھوں" پکڑنے کی تیاری کرنے لگا۔ سیڑھیوں میں صرف زیرو کے بلب کی روشنی تھی۔ میں احتیاط سے بغیر آہٹ پیدا کیے اوپر چڑھنے لگا۔ چھت کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ اس کی اوٹ سے جو منظر میں نے دیکھا، اس نے میرے قدم جکڑ لیے۔ میں اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

عبدالصمد نہایت پرسکون انداز میں تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے۔ سجدے کی حالت میں وہ پروردگار سے نجانے کیا راز و نیاز کر رہے تھے۔ چھت پہ چاند کی روشنی پھیلی تھی اور اس میں ان کا وجود بے حد پرنور لگ رہا تھا۔ میں دس منٹ تک انھیں دیکھتا رہا۔ دعا مانگنے کے بعد وہ جائے نماز لپیٹتے ہوئے اٹھے اور مجھ پہ نظر پڑتے ہی چونک پڑے۔

"آصف صاحب آپ؟ اس وقت۔"

"جی دراصل مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ یونہی چھت پر چلا آیا۔" میں نے ان سے نظریں ملائے بغیر کہا۔

"کہیں میری وجہ سے آپ کی نیند میں خلل تو نہیں پڑتا، میں سکون کے لیے چھت پہ آتا ہوں۔ آسمان کے نیچے اللہ سے باتیں کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ کوشش تو بہت کرتا ہوں کہ آہٹ یا شور نہ ہو مگر پھر بھی اگر آپ کی نیند خراب ہوتی ہے تو۔" وہ اصل بات سے بے خبر کہتے جا رہے تھے۔

"نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں پریشان نہیں ہوتا۔"

"عبدالصمد بھائی۔" کچھ توقف کے بعد میں نے ہولے سے انھیں مخاطب کیا۔ "جی؟" وہ میری طرف متوجہ ہوئے۔

"صبح فجر کی نماز کے لیے مجھے ضرور جگایئے گا۔ میں بھی آپ کے ساتھ مسجد چلوں گا۔" یہ کہتے ہی میں پلٹ آیا۔

بقیہ: آج بھی

"ارے ... اتنی بھی کیا جلدی ہے، تین گائے تو تمہاری ہی ہیں۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"کک ... کیا مطلب؟" میں اچھل پڑا۔

"میری بیوی نے بھابھی سے بات کی تھی، اس نے آپ کو پریشان نہیں ہونے دیا، آپ کی طرف سے پیسے جمع کرادیے۔"

"اوہ ... کمال کر دیا۔" آج بھی اعجاز بھائی جیسے بہت سے لوگ اس دنیا میں موجود ہیں۔ مگر اتنے کم رہ گئے ہیں کہ یہ واقعات فرضی لگتے ہیں یا بہت سے ہیں مگر کوئی ان کے جذبات کو بھڑکانے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی اعجاز صاحب کی طرح کرنا چاہتا ہے تو معمار ٹرسٹ آپ کا یہ کام کرنے کو تیار ہے۔ فون نمبرز اور طریقہ کار رسالے یا ضرب مومن یا اسلام اخبار سے ضرور مل جائیں گے۔ بس قدم بڑھائیں اور دل بڑا رکھیں ورنہ اعید سب کی گزر ہی جاتی ہے۔"

مسکراہٹ کے پھول

☆ استاد: تاج محل کس نے بنایا۔
شاگرد: مزدوروں نے۔
استاد: میرا مطلب ہے کس نے بنوایا۔
شاگرد: ٹھیکیدار نے۔ (محمد عدنان، عبدالودود میو۔ عزیز فاطمہ۔ روڈو سلطان)

☆ استانی: یقین اور وہم میں کیا فرق ہے۔
شاگرد: آپ پڑھا رہی ہیں، یہ یقین ہے اور ہم پڑھ رہے ہیں، یہ آپ کا وہم ہے۔ (محمد علی معاویہ۔ روڈو سلطان)

☆ استاد: بتاؤ سڑکوں کے کنارے فٹ پاتھ کیوں بنائے جاتے ہیں۔
شاگرد: تاکہ گاڑیاں گھروں میں نہ گھس آئیں۔ (فاطمہ، سمیرا، عظمیٰ۔ کمالیہ)

☆ ایک دوست: آخر کب تک کھاتے رہوگے۔
دوسرا دوست: کارڈ پر لکھا ہے، کھانا سات بجے تا 10 بجے۔
(ایچ۔ ایف۔ روڈو سلطان)

☆ بچہ: ابو کیا ہم جہاز میں بیٹھ کر اللہ میاں کے پاس جاسکتے ہیں۔
باپ: یہ عین ممکن ہے بیٹا! (حافظ محمد اشرف۔ حاصل پور)

☆ مجرم: وکیل صاحب کوشش کریں کہ عمر قید ہو، پھانسی کی سزا نہ ہو۔
وکیل: آپ فکر نہ کریں۔
مجرم: (فیصلے کے بعد) جی وکیل صاحب! کیا بنا؟
وکیل: بہت مشکل سے عمر قید دلوائی ہے، وہ تو رہا کر رہے تھے۔
(فائزہ واجد۔ گوجرانوالہ)

☆ دادی: مجھے بتاؤ! تمھیں کس نے مارا ہے، میں اسے کچا چبا جاؤں گی۔
پوتا: مگر دادی جان! آپ کے تو دانت ہی نہیں ہیں۔ (سدرہ گل۔ روڈو سلطان)

☆ حجام: (پروفیسر صاحب سے) بال کیسے کاٹوں؟
پروفیسر: بالکل خاموشی سے۔ (اقراء انجم۔ نعمان ایجوکیشنل کمپلیکس، لاہور)

☆ میزبان: (جو مہمان سے تنگ آیا ہوا تھا) آپ کو ہمارے ہاں آئے کتنے دن ہوگئے۔ کیا آپ کو اپنے بچے یاد نہیں آتے۔
مہمان: ہاں! سوچ تو رہا ہوں، انھیں بھی بلوالوں۔
(اقصیٰ انجم سینٹرل کالج۔ لاہور)

جواہرات سے قیمتی

- دل کا چین چاہتے ہو تو حسد سے بچو۔
- مستقل مزاجی کانٹوں کو پھول بنا دیتی ہے۔
- صبر ایک ایسی سواری ہے جو اپنے سوار کو کبھی گرنے نہیں دیتی، نہ کسی کے قدموں پر نہ کسی کی نظروں سے۔
- محبت اور عزت کبھی ساکن نہیں ہوتی، اگر بڑھے نہ تو کم ہوتی ہے۔
- سب سے بڑی دولت مندی یہ ہے کہ جو دوسروں کے پاس ہے، اس کی آس نہ رکھی جائے۔
- انسان زندہ ہونے کے باوجود زندگی کو نہیں سمجھ سکتا تو وہ مرے بغیر موت کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔
- محنتی آدمی کا ہاتھ اسے کبھی نہ کبھی دولت مند بنا دیتا ہے۔
- عبادت پر تکبر سے بہتر اپنے گناہوں پر شرمندہ ہونا ہے۔
- خود پسندی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔
- جو جیتنے کا کامل یقین رکھتے ہوں، وہ میدان مار لیتے ہیں۔

ارسال کرنے والے:
بنتِ مولانا محمد سیف الرحمٰن گوجرانوالہ، محمد عمر فاروق مانسہرہ۔ محمد ابراہیم مانسہرہ

آمنے سامنے

☆ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: آپ سے ہمارا تعلق اس وقت کا ہے جب ہم خود کو فرزانہ سمجھ کر فرضی دشمنوں سے لڑتے تھے اور اب میرا سات سالہ بیٹا آپ کے ناول پڑھ کر اپنے آپ کو انسپکٹر فہیم کہتا ہے۔ میں بچوں کا اسلام کی عدالت میں ایک کیس پیش کروں گی، سرور مجذوب کے خلاف۔ (اہلیہ عمران انیس۔ کراچی)

ج: آپ کا کیس عدالت کو بھیجا جا رہا ہے۔

☆ بچوں کا اسلام بلاشبہ ایک معیاری رسالہ ہے۔ میں بھی اس میں حصہ لے رہا ہوں۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا ای میل کے ذریعے مضامین ارسال کیے جا سکتے ہیں۔ اللہ آپ کو ایمان اور صحت کے ساتھ سلامت رکھے۔

(انجینئر امینہ بتول بنت پروفیسر انیس احمد۔ ملتان)

ج: جی نہیں! ڈاک سے ارسال کریں۔

☆ ہم بچوں کا اسلام کے آتے جاتے قاری ہیں۔ کبھی پڑھ لیا، کبھی چھوڑ دیا، خط پہلی بار لکھ رہے ہیں۔ امید ہے، خط شائع کریں گے۔ (بنت عنایت اللہ۔ سیالکوٹ)

ج: اللہ آپ کو مستقل قاری بنائے۔ آمین۔

☆ بچوں کا اسلام کی اب تک خاموش قاریہ تھی، اب خاموشی کو توڑ رہی ہوں۔ ماشاء اللہ بچوں کا اسلام دن بدن بہتر ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ مزید ترقی عطا فرمائے۔ مجھے مختصر پر اثر بہت پسند ہے۔ واقعات صحابہ کے بھی اچھا سلسلہ ہے۔ ایمان تازہ ہوتا ہے۔ (بنت امداد اللہ۔ سیالکوٹ)

ج: اللہ کا شکر ہے۔

☆ طنز و مزاح اور بہن بھائیوں کی بھرپور تنقید کے ساتھ آپ کے سامنے حاضر ہیں، کیونکہ ہم یہ خط انھی کے درمیان بیٹھ کر لکھنے کی غلطی کر بیٹھے ہیں۔ بقول میرے بھائی آپ کا یہ خط ردی کی ٹوکری کی زینت بنے گا اور کوئی ہمیں یہ "منہ اور مسور کی دال" کے القاب سے نواز رہے ہیں۔ لیجیے ہمارے حوصلوں کو پست کرنے کے لیے بھائی جان کی آواز آئی "بندر کیا جانے ادرک کا مزہ" لیکن ہم سب باتوں سے بے نیاز ہو کر ایک ہی شعر ذہن میں لیے ہوتے ہیں۔

ہے جذبہ جنوں تو ہمت نہ ہار
جستجو جو کرے وہ چھوئے آسماں

انکل جی! ہم نے سنا ہے کہ جس کے شر سے بچنا ہو، انسان اگر اس کو سلام کر لے تو اس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے، اس لیے ردی کی بالٹی کو ہمارا سلام۔ (اخت مولانا عبدالرحمٰن خان۔ جلہ جیم)

ج: ترکیب خوب رہی ہے۔

☆ آپ کی محنتوں اور کاوشوں کا مجموعہ "بچوں کا اسلام" بہت شان دار جا رہا ہے۔ بچوں کا اسلام سے ہمارا رشتہ گہرا ہوتا جا رہا ہے۔

نادیہ حسن صاحبہ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ محترمہ کی کہانی سے بچوں کا اسلام کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ فاروق صاحب نیوز چینل کے بجائے کوئی مزاحیہ کہانی لکھا کریں۔

(عبداللہ بن قاری عطاء الرحمان۔ خانو خیل ڈیرہ اسماعیل خان)

☆ "بچوں کا اسلام" سے تعلق ابتداء سے ہے۔ اب تک تو ہم جذب کی حالت میں رہے۔ تحریریں ارسال کرتے رہے، کبھی نہ پوچھا کہ تحریروں کے ساتھ کیسا معاملہ ہو رہا ہے، لیکن! اب ہم مزید جذب کے عالم میں نہیں رہ سکتے، وگرنہ لوگ ہمیں سرور مجذوب کی طرح "عثمان مجذوب کہنا" شروع کر دیں گے۔ پنجابی کا محاورہ ہے "نہ چھیڑ ملنگاں نوں" جذب سے باہر نکلنے کی بات صرف دل میں آئی ہے۔ ہم اس حالت سے نکلیں نہیں گے، کیونکہ آپ سے بہت ڈر لگتا ہے۔ آخر میں حسب معمول ایک عرض کر کے اجازت چاہتے ہیں۔ کیا عرض کرتا ہے! آپ سمجھ تو گئے ہوں گے۔ جی ہاں! درویش کی اور کیا صدا ہے۔ (محمد عثمان حبیب۔ کہروڑ پکا)

☆ شمارہ 587 ابھی ابھی پڑھ کر فارغ ہوا ہوں اور اس فکر میں ہوں کہ کہاں سے شروع کروں، چلیں دو باتیں سے شروع کر دیتے ہیں۔ اس بار کی دو باتیں لاکھ باتیں ثابت ہوئیں، کیونکہ ان میں لاکھوں قارئین کا تذکرہ تھا۔ فضل دین ایک حقیقت ہے۔ ہم خود مہنگائی کے ذمے دار ہیں۔ یہاں تک لکھ پایا تھا کہ پشاور میں گرجا والا سانحہ ہو گیا۔ دل پریشان ہے۔ اللہ ہمارے ملک پر رحم فرمائے۔ اب ضرورت ہے کہ تمام پاکستانی ایک ہو جائیں۔ (محمد احسن زماں۔ وزیر آباد)

ج: واقعی اسی کی ضرورت ہے۔

☆ ماشاء اللہ بچوں کا اسلام خوب جا رہا ہے۔ تصویر کی دھمکی کی پہلی قسط ہی نے چونکا دیا۔ سچ پوچھیے تو سرور مجذوب آپ ہی ہیں۔

(حافظ محمد عثمان علی، فیصل شہزاد۔ للیانی سرگودھا)

ج: لیکن میں کیوں پوچھوں؟

☆ 587 ہاتھوں میں ہے۔ دو باتیں پہلے کی طرح اچھی لگیں۔ چھن چھن! بہت زبردست تھی۔ راشد علی کی گدھا گاڑی خوب تھی۔ نادیہ حسن کی سرخ کوٹ والا سبق آموز تھی۔ پولیس کیس بھی اچھی کہانی تھی، لیکن جو کہانی سب گھر والوں کو پسند آئی، وہ ہمارا بچپن تھی۔ (حافظ محمد معاویہ ظفر۔ لاہور)

ج: چلیے شکر ہے۔

☆ دادا جان! میں آٹھویں کلاس میں پڑھتی ہوں۔ پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں۔ بچوں کا اسلام کی خاموش قاریہ ہوں۔ ڈر ڈر کر یہ خط لکھ رہی ہوں۔ شمارہ 587 بہت اچھا تھا۔ سرخ کوٹ والا، چھن چھن، اچھی تھیں۔ بچوں کا اسلام کے صفحات کم ہیں۔ (مصباح اختر، ہبین اختر۔ سرگودھا)

ج: جی ہاں! ہیں تو کم ہی۔

☆ محمد شاہد فاروق کو مشورہ دے دیں کہ وہ نیوز چینل کی جگہ بس سوالات کے جوابات دے دیا کریں یا تبصرہ لکھا کریں۔ بالکل ویسا تبصرہ جو قارئین ان کے چینل پر کرتے ہیں اور ہاں مسکراہٹ کے پھول کی جگہ آپ کوئی ناقابلِ اشاعت تحریر لگا دیا کریں جسے پڑھ کر ہم جیسے لوگ بھی حیران رہ جائیں کہ یہ کیا لکھا ہے۔ خواتین رائٹرز کے انٹرویو بھی شائع کریں۔ تمام لکھنے والے سامنے ہی آمنے سامنے میں آتے ہیں، لیکن سرور مجذوب اور ارشاد الٰہی نہیں آتے۔ کیا انھوں نے آپ سے بھی رابطہ نہیں کیا۔ ضرور بتایئے گا۔ (زرتاج۔ بہاول پور)

ج: اب مجھے ان سے اس بارے میں رابطہ کرنا ہوگا۔

☆ شمارہ 587 کی دو باتیں پڑھ کر دلی خوشی ہوئی کہ بچوں کا اسلام ہر لحاظ سے مالا مال ہو گیا ہے۔ دو باتیں کی دو قسطوں میں آپ نے خوب روشنی ڈالی اور روشنی ڈالنے کی قارئین کو بھی دعوت دے ڈالی۔ لیجیے ہم بھی روشنی ڈال رہے ہیں۔ بچوں کا اسلام اس لحاظ سے بھی مالا مال ہے کہ اسے پڑھنے والے مرد بھی ہیں اور خواتین بھی، نوجوان بھی ہیں اور بوڑھے بھی، حفاظ بھی ہیں اور حافظات بھی، قرا بھی ہیں اور قاریات بھی، علما بھی ہیں اور عالمات بھی، مدرسین بھی ہیں اور آئمہ حضرات بھی، خطبا بھی ہیں اور استاذ الحدیث بھی اور شیخ الحدیث بھی، متقی بھی ہیں اور اللہ کے ولی بھی، یہ بندے کی پہلی تحریر ہے کیسی لگی۔ (قاری غلام رسول ڈیروی۔ لاہور)

ج: آپ نے تو مجھ سے بھی بہتر انداز میں بچوں کا اسلام کو مالا مال ثابت کر دیا۔ بہت خوب!

☆ یہ خط ہم نیوز چینل کی حمایت میں لکھ رہے ہیں۔ بہت سے قارئین کہتے ہیں، نیوز چینل اچھا نہیں، اسے بند کر دینا چاہیے۔ میں اس خیال کی پُرزور مذمت کرتی ہوں، اگر یہ کچھ قارئین کو پسند نہیں تو بہت سوں کو پسند بھی تو ہے۔ میری گزارش ہے کہ جنھیں یہ پسند نہیں، وہ اسے کڑوی گولی سمجھ کر نگل لیا کریں۔ (ثمین صدیقی۔ رحیم یار خان)

ج: شکریہ! میرا بھی یہی خیال ہے۔ تاہم اس بارے میں مزید بہتری کی کوشش میں ہوں۔

☆ کسی بھی شعبے میں جب ملازمت کی جاتی ہے تو اس وقت عمر کی شرط بھی لازمی ہوتی ہے۔ آدمی کی ریٹائرمنٹ کی بھی عمر طے ہوتی ہے، اس اصول کے تحت اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ کب ریٹائر ہو رہے ہیں تو آپ کا کیا جواب ہوگا۔ (خالد محمد۔ خان گڑھ)

ج: مجھے تو ملازم رکھا ہی اس عمر میں گیا تھا جب میری عمر ریٹائرمنٹ کے قریب تھی۔ جیسے ریٹائر ہونے والوں کو دوسرے محکموں میں لے لیا جاتا ہے۔ دوسری بات! ریٹائر کرنا ادارے کا کام ہے، نہ کہ ملازم خود کو ریٹائر کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ معاملہ خالص ادارے کی مرضی کا ہے، نہ آپ کی خواہش چلے گی، نہ میری مرضی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟

سیرت النبی ﷺ
کے موضوع ایم آئی ایس فاؤنڈیشن کی دو منفرد کتابیں
1 سیرت کوئز
2 سیرت النبی ﷺ قدم بہ قدم (دو جلدیں)
(رعایتی قیمت پر حاصل کریں)

MIS
کل قیمت 1060 روپے
رعایتی قیمت 650 روپے
ملتان 0300-7301239 — فیصل آباد 0321-7693142
راولپنڈی 0321-5123698 — ساہیوال 0321-6950003
پشاور 0314-9696344 — کوئٹہ 0321-6045069
بہاولپور 0333-6367755 — رحیم یار خان 0321-2847131
اٹک 0302-5475447 — ہری پور 0301-8145854
لاہور 0321-4538727 — سرگودھا 0321-6018171
523 C Adamjee Nagar, Old Dohraji, Karachi, Pakistan
Ph: +92-21-34931044, 34944448, Cell: +92-321-2220104

امرود

لیاقت علی۔ تلمبہ

امرود دنیا بھر میں پایا جانے والا پھل ہے۔ گرمیوں اور سردیوں میں یہ پھل سات آٹھ ماہ دستیاب ہوتا ہے۔ قدرت نے اس پھل کو کئی قیمتی اجزا سے مالا مال کیا ہے۔ غذائیت اور وٹامنز کے باعث یہ ایک لاجواب پھل ہے۔ اس پھل میں کچے اور پکے دونوں حالتوں میں غذائی اجزا اور شفاف معدنیات موجود ہوتی ہیں۔

امرود کا پودا چار سال کی عمر کے بعد ہی پھل دینا شروع کر دیتا ہے اور پھر تقریباً بیس سال تک اپنی اس بار آوری کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ ماہرین کی جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ سات سال سے پندرہ سال کی عمر کا حصہ ہی اس کی جوانی کا دور ہوتا ہے۔ اس دورانیے میں اس کا پھل اپنے اندر طاقت و توانائی کے خزانے سموئے ہوتا ہے۔ اسی عرصہ میں یہ خوب پھیلتا اور پھولتا ہے۔

امرود کے پودے پر سال میں دو بار پھول آتے ہیں۔ اس پر پہلی مرتبہ پھول ماہ فروری کے دوران نمودار ہوتے ہیں۔ اس کا پھل جولائی اور اگست میں پک کر تیار ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسری بار اس پر پھول اگست کے آخر میں آتے ہیں ان کا پھل دسمبر اور جنوری میں پختہ ہوتا ہے۔ ماہرین کے نزدیک یہی فصل عمدہ اور نفع آور ہوتی ہے۔ اسے ہر طرح کی زمین پر کاشت کیا جا سکتا ہے۔

امرود کا پھل شکل و صورت میں مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ بعض گول ہوتے ہیں تو بعض لمبوترے یا بیضوی۔ کچھ کا چھلکا صاف اور چکنا ہوتا ہے اور کچھ کا چھلکا کھردرا اور بے رونق۔ بعض کا گودا سفید ہوتا ہے اور بعض کا گودا سرخی مائل ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں امرود کی کئی اقسام پائی جاتی ہیں جن میں سفیدا، کریلا، حفصی، بیدانہ، سیندوری اور سرخی بے حد مشہور ہیں۔ امرود میں پروٹین، نشاستہ، معدنی نمکیات، سوڈیم، فاسفورس، وٹامنز، نباتاتی گھی، چونا موجود ہیں۔

اس عام اور چھوٹے سے پھل میں اس قدر خوبیاں ہیں کہ عام طور پر انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔

امرود خفقان اور دل کی حرکت کی تیزی میں بہت مفید ہے۔ یہ نکسیر کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔ قوتِ ہاضمہ کو بڑھاتا اور بھوک کی کمی کو دور کرتا ہے۔ متلی، گھبراہٹ اور بے چینی کی صورت میں صرف سونگھنے سے ہی سکون ہو جاتا ہے۔ امرود دائمی قبض کو رفع کرتا ہے اور پیٹ کے کیڑوں کو مارنے کی حیرت انگیز قوت رکھتا ہے۔ خاص طور پر اس کے بیج کدو دانوں کے لیے مفید ہیں۔ یہ پیٹ اور آنتوں کی صفائی کے ساتھ ساتھ معدے کو بھی درست کرتا ہے۔ قبض کشا ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال گیس اور تبخیر کی بیماریوں میں بھی نفع بخش ہے۔ بلغم کی زیادتی میں اسے کالا زیرہ، نمک، کالی مرچ اور بڑی الائچی کے پسے ہوئے سفوف کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے سینے پر جما ہوا بلغم اکھڑ کر خارج ہو جاتا ہے۔ کچے امرود کو بھوبھل میں دبا کر اس کے بھرتے میں شہد ملا کر کھانے سے یا تھوڑا تھوڑا چاٹنے سے کھانسی، نزلہ اور زکام میں فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے پتوں کو جوش دے کر اس سے غرارے کرنے سے منہ کا ورم، چھالے اور سوجن دور ہو جاتے ہیں اور منہ کی بدبو سے بھی نجات ملتی ہے۔ مسوڑھے اور ہلتے دانت مضبوط ہو جاتے ہیں اور دانتوں کے درد کو تسکین ہوتی ہے۔ امرود مسوڑھوں کی سوزش اور ان کے درد کو ختم کرتا ہے اور ان سے خون بہنے کے عمل کو بند کرتا ہے۔ اس کی جڑ کی چھال یا کچے پتوں کو جوش دے کر پلانے سے ہیضے اور اسہال کی بیماری میں افاقہ ہوتا ہے۔ غرض اس چھوٹے اور انتہائی سستے پھل کے اتنے بے شمار فوائد دیکھ کر انسان کی زبان سے بس یہی نکلتا ہے:

"اور تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

ناقابلِ اشاعت

جھوٹے آنسو؟۔ سونے کی اینٹ بدین۔ دعا مانگیں مگر بہترین وار برٹن۔ پہلوانی کا شہزادہ ٹنڈو آدم۔ سینگوں والا سانپ احمد پور شرقیہ۔ امانت اسلام آباد۔ عجیب امتحان تلمبہ۔ ہم ہے مکینک گوجرانوالہ۔ ڈرائیور انکل راولپنڈی۔ اعمال و نتائج؟۔ سنہری بات جھنگ شہر۔ مجذوب شہزادہ والا ہور۔ بلا عنوان وار برٹن۔ کیسا فیصلہ ملتان۔ گہری سوچ ملتان۔ ضمیر کی جیت علی پور۔ عظیم کہروڑ پکا۔ احساس ملتان۔ آنسو جو ہے اس کی یاد میں میاں چنوں۔ مشن نمبر 1 لاہور۔ گھر تو آخر اپنا ہے؟۔ سب سے اچھا کام ملتان۔ فقیر کیسے کیسے میانوالی۔ مشق ملتان۔ آسیب گجرات۔ مستقبل کلورکوٹ۔ ہمدرد لٹیرے بگا شیر۔ بیل کی آپ بیتی کوہاٹ۔ حصہ جھنگ شہر۔ اصل کامیابی کراچی۔ زندگی ایک بلبلہ لاہور۔ ماڈر بارہ میل۔ دل کی آزاد تڑپ نوشہرہ چھاؤنی۔ عذاب الٰہی کا نشانہ جمیل ٹاؤن۔ معصوم اور ماحول ایبٹ آباد۔ عقل مند بوڑھا میاں چنوں۔ والد کی رضا مروت۔ دیا جلتا رہے گا؟۔ پھلوں کی ٹوکری اسلام آباد۔ انوکھے چور اوکاڑہ۔ جیسے کو تیسا اوکاڑہ۔ ڈاکو ادیب اوکاڑہ۔ جن بابا سرائے سدھو۔ کم کم گو ایبٹ آباد۔ روداد خوشاب۔ خود اعتمادی کراچی۔ ہے کوئی تک بھلا تونسہ۔ جو چلے تو ماں سے گزر کر کلورکوٹ۔ وہ شمع کیا بجھے روڈ و سلطان۔ ہل لاہور۔ چوری پھلروان۔ ماں کی دعا اوکاڑہ۔ ہمیشہ سچ بولنا کراچی۔ یہ بھی کوئی چوری ہوئی کراچی

بچوں اور نوجوانوں کے لیے منفرد ہفتہ وار انگریزی میگزین

The TRUTH

Subscription Charges

Rs. 1200 for 1 Year (52 Issues — 4 issues free)
Rs. 600 for 6 months (26 Issues — 2 issues free)
Rs. 300 for 3 months (13 Issues — 1 issue free)

Bank Account — The Truth Intr. Current A/c no. 0184-0100310268
Meezan Bank Gulshan-e-Maymar, Karachi

کراچی: 0334-3372304 | حیدر آباد: 0300-3037026
لاہور: 0300-4284430 | سرگودھا: 0321-6018171 | سکھر: 0300-9313528
فیصل آباد: 0333-4365150 | راولپنڈی: 0321-5352745 | ملتان: 0305-8425669
پشاور: 0314-9007293 | کوئٹہ: 0321-8045069

پرانے شمارے بھی منگوائے جا سکتے ہیں

سبسکرپشن اور دیگر معلومات کیلئے مرکزی رابطہ
ڈی تھرڈ 4-G-1/11 ناظم آباد نمبر 4 کراچی
0322-2740052, 021-36881355

www.thetruthmag.com | info@thetruthmag.com